اسلام اور سائنس

از

محمد رفیع الدین

ایم ۔ اے ، پی ۔ ایچ ڈی ، ڈی لٹ

اقبال اکادمی پاکستان کراچی

قیمت دو روپے پچاس پیسے صرف

ایک توسیعی لکچر جو
شعبہ الٰہیات اسلامیہ، پشاور یونیورسٹی پشاور کے زیر انصرام دیا گیا اور
اقبال ریویو کراچی (جلد ۵ شمارہ ۴ بابت جنوری ۱۹۶۵)
میں شائع کیا گیا۔

اسلام اور سائنس

سائنسی علوم کی ایک مثالی اسلامی یونیورسٹی کی ضرورت

محمد رفیع الدین

سائنس کیا ہے ؟

علم کے جس شعبہ کو ہم سائنس کہتے ہیں اس کا دوسرا نام علم کائنات ہے جس میں انسان کا علم بھی شامل ہے ۔ سائنسی علوم کی کلید کائنات کے قدرتی حالات اور واقعات کا یا دوسرے لفظوں میں مظاہر قدرت کا مشاہدہ ہے ۔ جو ہمارے حواس خمسہ کے ذریعہ سے عمل میں آتا ہے ۔ سائنسدان کائنات کے مشاہدہ سے کچھ نتائج اخذ کرتا ہے پھر ان نتائج کو ایک قابل فہم تنظیم اور ترتیب کے ساتھ جمع کرتا ہے ۔ ہر درست سائنسی نتیجہ کو ہم ایک مستقل علمی حقیقت یا قانون قدرت سمجھتے ہیں ۔ مشاہدہ سے دریافت ہونے والے نتائج یا علمی حقائق کو جب مرتب اور منظم کر لیا جاتا ہے تو اسے ہم سائنس کہتے ہیں ۔

سائنسی طریق تحقیق کے چار مرحلے ۔

بعض وقت سائنسدان کائنات کے حالات اور واقعات کا مشاہدہ براہ راست ان کی قدرتی حالت میں کرتا ہے اور اس غرض کے لئے ان کو ڈھونڈھ نکالتا ہے اور خود ان کے قریب جاتا ہے ۔ لیکن بعض وقت وہ اپنے معمل کے اندر کائنات کے حالات اور واقعات کو مصنوعی طور پر پیدا کرکے ان کا مشاہدہ کرتا ہے ۔ گویا ان کو اپنے قریب لاتا ہے لیکن خواہ سائنسدان مظاہر قدرت کے قریب خود جائے یا ان کو اپنے قریب لائے دونوں صورتوں میں وہ کائنات کے مشاہدہ اور مطالعہ کی خاطر اپنے لئے سہولتیں پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے ۔ سائنسدان کی اس کوشش کو تجربہ کا نام دیا جاتا ہے ۔ تجربہ کی غرض مشاہدہ ہے اور مشاہدہ کی غرض غور و فکر کے بعد نتائج اخذ کرنا ۔ بعض وقت بہت سے الگ تھلگ سائنسی حقائق ملکر ایک ایسی حقیقت کی طرف راہ نمائی کرتے ہیں جو براہ راست تجربہ اور مشاہدہ کے طریقوں سے ثابت شدہ نہیں ہوتی ۔ تاہم چونکہ وہ بعض ثابت شدہ حقائق کو منظم کرتی ہے ۔ اس لئے سائنسدان

اسے ایک قابل یقین نظریہ کے طور پر اپنے سائنسی حقائق میں داخل کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسا کرنے کے بغیر اس کے الگ تھلگ سائنسی حقائق قابل فہم نہیں ہوتے اور ان میں کوئی عقلی تنظیم یا وحدت پیدا نہیں ہوسکتی لہذا یہ نظریہ بھی جب تک کہ سائنسی حقائق اسے غلط ثابت نہ کریں ایک سائنسی حقیقت کا درجہ رکھتا ہے کیونکہ وہ بھی ہمارے مشاہدات کے نتائج میں شامل ہوتا ہے۔

سائنسدان کے اس طریق تحقیق کو جس کی روح کائنات کا مشاہدہ اور مطالعہ ہے۔ سائنسی طریق تحقیق یا سائینٹفک میتھڈ (Scientific method) کہا جاتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ سائنسدان کے طریق تحقیق کے چار مرحلے ہوتے ہیں:

اول — تجربہ (Experiment)

دویم — مشاہدہ (Observation)

سویم — اخذ نتائج (Inference)

چہارم — تنظیم نتائج (Systematization of Inferences)

سائنسی علوم کی قسمیں

کائنات کے تین واضح طبقے ہیں (۱) مادہ (۲) زندہ اجسام اور (۳) نفس انسانی اور ان کے بالمقابل علم کائنات یا سائنس کے بھی تین بڑے حصے ہیں۔

(۱) مادہ کی ماہیت سے تعلق رکھنے والے علوم یا طبعیاتی علوم جن میں علم طبعیات، علم کیمیا، علم الافلاک، علم الارض وغیرہ علوم شامل ہیں۔

(۲) زندگی کی ماہیت سے تعلق رکھنے والے علوم یا حیاتیاتی علوم جن میں علم حیاتیات، علم نباتات، علم الحیوانات، علم الجنین، علم الابدان، طب وغیرہ علوم شامل ہیں۔

(۳) نفس انسانی کی ماہیت اور اس کے مظاہر سے تعلق رکھنے والے علوم یا انسانی یا نفسیاتی علوم جن میں نفسیات فرد، نفسیات جماعت، علم التاریخ، علم السیاست، علم الاخلاق، علم الاقتصاد، علم

1718 98756798 9499.

القانون، علم التعلیم، وغیرہ شامل ھیں - اگر غور سے دیکھا جائے تو ریاضیات اور منطق بھی نفسیات ھی کی شاخیں ھیں - کیونکہ وہ ان اصولوں کی تشریح اور تفصیل پر مشتمل ھیں جن کے مطابق ذھن انسانی سوچتا ھے -

ھم سائنس کے ان شعبوں کو اختصار کی غرض سے اعلی الترتیب، طبعیات، اور حیاتیات اور نفسیات بھی کہہ سکتے ھیں -

سائنسداں کے بنیادی اعتقادات

بعض اوقات یہ سمجھا جاتا ھے کہ سائنس کو اعتقاد سے کوئی تعلق نہیں اور دور حاضر کا سائنسداں اپنی تحقیق کسی ایسے اعتقاد سے شروع نہیں کرتا جس کو اس نے بلا ثبوت پہلے سے قبول کرلیا ھو۔ بلکہ وہ خالی الذھن ھوتا ھے اور اس کے مشاھدات جس طرف اسے لے جاتے ھیں - چلا جاتا ھے یہ خیال درست نہیں ھر سائنسداں اپنی سائنسی تحقیق کی بنیاد کے طور پر حقیقت سائنس یا حقیقت علم کے متعلق کچھ عقائد رکھتا ھے جو خود حقیقت کائنات کے کسی عقیدہ سے ماخوذ ھوئے ھیں اور جو اس کی تحقیق کے نتائج پر اثر انداز ھوتے ھیں - مثلاً ھر سائنسداں شروع سے ھی اس بات کا اعتقاد رکھتا ھے کہ کائنات ایک یکساں کل یا وحدت ھے - یعنی وہ فاصلہ اور وقت دونوں کے لحاظ سے ایسے منطقوں یا حصوں میں بٹی ھوئی نہیں جن میں متضاد قسم کے قوانین قدرت جاری ھوں - کائنات کے قوانین مسلسل اور مستقل ھیں وہ نہ صرف ھر جگہ ایک ھی ھیں بلکہ ھر زمانہ میں بھی ایک ھی رھتے ھیں - اس میں شک نہیں کہ سائنسداں کا یہ عقیدہ صحیح ھے اور اس کی صحت کی ایک دلیل یہ ھے کہ وہ آج تک غلط ثابت نہیں ھوسکا - یہ عقیدہ سائنسی تحقیق کا باعث ھے اس کا نتیجہ نہیں، سائنس کی تمام ترقیات جو اب تک ممکن ھوئی ھیں ان کی بنیاد یہی عقیدہ ھے - اگر سائنسداں اس عقیدہ سے آغاز نہ کرتے اور یہ عقیدہ صحیح نہ ھوتا تو سائنس ممکن ھی نہ ھوتی - یہی وہ عقیدہ ھے جو سائنسداں کو سائنسی تحقیق کے لئے اکساتا ھے اور اسی کی تصدیق سے وہ اپنے سائنسی نتائج پر مطمئن ھوتا ھے اور اس کی راہ پر آگے قدم اٹھاتا ھے - ظاھر ھے کہ اگر سائنسداں کو معلوم ھو جائے کہ جو سائنسی حقیقت اس نے اپنی تحقیق سے آج اسوقت اور اس مقام پر دریافت کی ھے وہ محض وقتی اور مقامی ھے اور اس کی متبادل یا متوازی سائنسی حقیقتیں اس کائنات میں بہت سی ھیں یا

آئندہ ہوسکتی ہیں ۔ مثلاً اگر اسے یہ خیال ہو کہ پانی سطح سمندر سے یکساں بلندی پر کہیں تو سو درجہ حرارت پر اور کہیں پچاسی درجہ' حرارت پر ابلتا ہے اور کسی خاص مقام پر کسی وقت ۱۰۰ درجہ حرارت پر اور کسی اور وقت پچاس درجہ حرارت پر ابلتا ہے تو وہ اپنی اس تحقیق کے نتیجہ کو بیکار سمجھ کر چھوڑ دیگا ۔

کائنات کی وحدت کے نتائج

پھر کائنات کی اسی وحدت کی وجہ سے سائنسدان بلا ثبوت اور بلا دلیل یہ عقیدہ بھی رکھتا ہے کہ سائنس ایک وحدت ہے اور تمام سچے سائنسی حقائق خواہ وہ طبیعاتی ہوں، یا حیاتیاتی یا نفسیاتی ایک دوسرے کے ساتھ عقلی طور پر وابستہ ہوتے ہیں ۔ ایک دوسرے کے ساتھ علمی ربط و ضبط رکھتے ہیں ۔ ایک دوسرے کو سہارا دیتے ایک دوسرے کی تائید اور توثیق کرتے ہیں اور ایک دوسرے پر روشنی ڈالتے ہیں اور کسی صورت میں بھی آپس میں ایک دوسرے سے متضاد نہیں ہوتے اور ایک دوسرے کی علمی اور عقلی مخالفت نہیں کرتے ۔ سائنسداں بلا ثبوت اور بلا دلیل یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ تمام سائنسی حقائق مل کر ایک ایسا عقلی اور علمی نظام بناتے ہیں کہ اگر کوئی ایسی نام نہاد ''سائنسی حقیقت،، اس میں داخل کردی جائے جو سچی سائنسی حقیقت نہ ہو تو وہ اس نظام میں سما نہیں سکتی کیونکہ تمام سائنسی حقائق اس کی علمی اور عقلی مخالفت کرتے ہیں ۔ اسی اعتقاد کی وجہ سے جب سائنسداں دیکھتا ہے کہ اس کی تحقیق کے ذریعہ سے کوئی ایسی سائنسی حقیقت آشکار ہوئی ہے جو کسی دوسری سائنسی حقیقت سے جو پہلے سے معلوم اور مسلم ہو ٹکراتی ہے تو وہ اپنی تحقیق کو ناقص سمجھتا ہے اور اس ''نام نہاد،، سائنسی حقیقت کو غلط سمجھ کر رد کر دیتا ہے یا پھر پہلی معلوم اور مسلم سائنسی حقیقت پر شبہ کرنے لگتا ہے ۔ اس پر نظر ثانی کرتا ہے اور اگر وہ غلط ہو تو اسے رد کر دیتا ہے ۔ سائنسی حقائق کی وحدت کا نتیجہ یہ ہے کہ جب سائنس کا کوئی حصہ غلط طور پر ترقی کر رہا ہو تو ساری سائنس کی ترقی پر اس کا برا اثر پڑتا ہے یہاں تک کہ سائنس کے بعض حصوں کی ترقی بالکل رک جاتی ہے سائنسداں بلا ثبوت اور بلا دلیل یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ ہر سچی سائنسی حقیقت بہت سی اور سائنسی حقیقتوں پر روشنی ڈالتی ہے اور اگر اس نے ایک ایسی حقیقت کو رد کردیا تو بہت سی اور سائنسی حقیقتیں اس کی نظروں سے اوجھل ہوجائیں گی اور سائنس کی ترقی اس کے کسی نہ کسی شعبہ یا حصہ میں رک جائے گی ۔ یہ وہ اعتقادات ہیں جن سے سائنسداں اپنی تحقیق کا آغاز کرتا ہے ۔

یہ اعتقادات اسکی تحقیق کے آغاز سے پہلے اسکے دل کے اندر بطور مسلمات کے موجود ہوتے ہیں۔ وہ ان کو ثابت نہیں کرتا بلکہ قبول کرتا ہے اور ان کی مدد سے اور ان کی روشنی میں اپنے تمام سائنسی حقائق کو ثابت کرتا ہے۔

سائنس کی وحدت کا سبب حقیقت کائنات کی وحدت ہے

سائنسدان وحدت کائنات اور وحدت سائنس پر بلا ثبوت اور بلا دلیل اعتقاد کیوں رکھتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بحیثیت انسان اپنی فطرت سے ایسا کرنے کے لئے مجبور ہے۔ انسان کی فطرت کے اندر یہ اعتقاد ودیعت کیا گیا ہے کہ حقیقت کائنات ایک ہے اور ساری کائنات اسی کا مظہر ہے اور خواہ سائنسدان اپنے اس وجدانی اعتقاد کا اعتراف کرے یا نہ کرے لیکن یہ اعتقاد پھر بھی اس کی فطرت کے جزو لاینفک کے طور پر اس کے لاشعور میں جاگزیں رہتا ہے اور وہ اس اعتقاد کے مطابق عمل کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ جب تک حقیقت کائنات کو شعوری یا لاشعوری طور پر ایک نہ مانا جائے سائنسی حقائق کی وحدت کو ماننا ممکن نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وحدت بغیر نظم یا اتحاد کے نہیں ہوتی اور نظم متحد کرنے والے یا منظم کرنے والے کسی مرکزی اصول کے بغیر محال ہے۔ پھر یہ ضروری ہے کہ جو اصول تمام سائنسی حقائق کو متحد اور منظم کرے وہ ان کی جان یا روح یا آخری حقیقت کے طور پر ہو۔ یعنی وہ حقیقت الحقائق یعنی کائنات کی آخری حقیقت ہو اور تمام سائنسی حقائق اس کی تشریح اور تفسیر کے اجزا اور عناصر ہوں اور اس کے ساتھ علمی ربط اور عقلی مطابقت رکھتے ہوں دراصل سائنسی حقائق کے باہمی علمی اور عقلی ربط و ضبط کی وجہ یہی ہے کہ وہ سب حقیقت کائنات کے ساتھ عقلی اور علمی ربط و ضبط رکھتے ہیں۔ سائنسداں کا شعوری یا لاشعوری تصور حقیقت ہمیشہ اس کے ساتھ رہتا ہے اور اس کے سائنسی نتائج پر اثر انداز ہوتا رہتا ہے اور چونکہ سائنسی حقائق صرف صحیح تصور حقیقت کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں اور کسی غلط تصور حقیقت کے ساتھ مطابقت نہیں رکھ سکتے لہذا اگر سائنسداں کا تصور حقیقت درست ہوگا تو اس کی سائنسی تحقیق درست ہوگی اور اس کو درست نتائج تک پہنچائے گی ورنہ جابجا غلط ہوجائے گی اور آخرکار رک جائے گی۔ ظاہر ہے کہ یہ صورت نفسیاتی یا سائنسی علوم کے دائرہ میں جو تصور حقیقت کے ساتھ زیادہ قریب کا تعلق رکھتے ہیں زیادہ شدت سے نمودار ہوگی۔ تصور حقیقت کے غلط ہونے سے سائنس کے غلط ہوجانے کی وجہ

یہ ہے کہ اس صورت میں سائنسدان غیر شعوری طور پر بعض صحیح سائنسی حقائق کو بدل کر اپنے غلط تصور حقیقت کے مطابق کرتا جاتا ہے اور بعض غلط نام نہاد ''سائنسی حقائق،، کو جو اس کے مطابق ہوں صحیح سمجھ کر قبول کرتا جاتا ہے۔

فلسفہ کا کام یہ ہے کہ وہ آشکار طور پر کسی تصور حقیقت کو پیش کرتا ہے اور اس کے ساتھ تمام سائنسی حقائق کی عقلی اور علمی مطابقت کو ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ فلسفیوں نے صحیح تصور حقیقت کے مختلف نظریات قائم کئے ہیں اور قدرتی طور پر ہر فلسفی نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ تمام سائنسی حقائق صرف اسی کے تصور حقیقت کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں۔ لہذا اسی کا تصور حقیقت صحیح ہے لیکن چونکہ صرف ایک ہی تصور حقیقت تمام سائنسی حقائق کو متحد اور منظم کر سکتا ہے۔ اسلئے ظاہر ہے کہ درست تصور حقیقت صرف ایک ہی ہوسکتا ہے۔

مسلمانوں کا تصور حقیقت

روسی اشتراکیوں کے نزدیک یہ تصور حقیقت مادہ ہے لیکن مسلمانوں کے نزدیک یہ تصور حقیقت خدا ہے۔ لہذا مسلمانوں کے نزدیک یہی تصور حقیقت ہے جس سے تمام سائنسی حقائق مطابقت رکھتے ہیں اور جو تمام سائنسی حقائق سے مطابقت رکھتا ہے اور ان کی طرف صحیح راہ نمائی کرتا ہے۔ باقی ہر قسم کے تصورات حقیقت سائنس کی مجموعی ترقی کے لئے مضر ہیں۔ دراصل ایک ہی تصور حقیقت ایسا ہے جو وحدت عالم اور وحدت علم کی معقول اور قابل قبول تشریح کر سکتا ہے اور وہ مسلمانوں کا تصور حقیقت ہے جسکی رو سے وہ یہ مانتے ہیں کہ سائنسی حقائق اور قوانین قدرت کی حقیقت اور اصلیت یہ ہے کہ وہ کائنات میں خدا کے تخلیقی اور تربیتی اعمال و افعال ہیں اور خدا ایک شخصیت ہے اور شخصیت کا خاصہ ہے کہ اس کا صرف ایک مقصد یا مدعا ہوتا ہے جس کے ماتحت اس کے سارے اعمال و افعال سرزد ہوتے ہیں۔ جہاں بھی ہمیں اعمال اور افعال کا ایک منظم سلسلہ نظر آئے وہاں کسی شخصیت کی کارفرمائی کا موجود ہونا ضروری ہے۔ فرد انسانی کے اعمال و افعال کے اندر بھی ایک وحدت ہوتی ہے کیونکہ وہ بھی ایک شخصیت ہے اور بیک وقت ہمیشہ ایک مقصد اور مدعا کے ماتحت اپنے سارے کام کرتا ہے۔

چونکہ کائنات کی تخلیق سے خدا کا ایک مقصد ہے لہذا خدا کے سارے

اعمال و افعال میں جو قوانین قدرت یا سائنسی حقائق کی صورت اختیار کرتے ھیں ایک وحدت موجود ھے ۔ اس کے برعکس چونکہ قوانین قدرت یا کائنات کے اعمال و افعال کے اندر ایک وحدت موجود ھے لہذا ضروری ھے کہ ان اعمال و افعال کا باعث کوئی شخصیت ھو جو کائنات کی خالق ھو۔

وحدت کائنات سے خدا کے وجود کا قرآنی استشہاد

وحدت کائنات کا باعث یہ ھے کہ اس کا کوئی مقصد ھے اور وہ مقصد ایک ھی ھے اور اس کے مقصد کی وحدت کا باعث یہ ھے کہ اس کا کوئی خالق ھے اور وہ خالق ایک ھی ھے وحدت کائنات پر سائنسدانوں کے غیر شعوری وجدانی اعتقاد کا باعث ان کی فطرت کا یہ مخفی اور غیر شعوری تقاضا ھے کہ وہ کائنات کا ایک مقصد مانیں اور وہ مقصد ایک ھی ھو اور اسکا ایک خالق تسلیم کریں اور وہ خالق ایک ھی ھو۔

قرآن حکیم نے کائنات کی وحدت کی طرف پر زور الفاظ میں توجہ دلائی ھے اور اس کو اس بات کے ثبوت کے طور پر پیش کیا ھے کہ کائنات کا کوئی خالق ھے اور وہ خالق ایک ھی ھے۔

ماتری فی خلق الرحمن من تفاوت
فارجع البصر ھل تری من فطور
ثم ارجع البصر کرتین ینقلب البصر
الیک خاسئآ وھو حسیر۔

(ترجمہ) اے پیغمبر آپ خدا کی تخلیق میں کوئی فرق نہ دیکھیں گے ۔ ذرا نظر دوڑائیے اور کائنات کا مشاھدہ کیجئے کیا آپ کو خدا کی اس تخلیق میں کبھی کوئی دراڑ نظر آتا ھے ۔ پھر دوبارہ نظر دوڑائیے اور دیکھئے ۔ نگاھیں مایوس اور درماندہ ھو کر لوٹینگی کہ خدا کی تخلیق میں کبھی کوئی دراڑ نہیں (کیا کائنات کی یہ وحدت اس کی مقصدیت کا اور پھر اس کی مقصدیت کسی خالق کائنات کی ھستی اور وحدت کا ثبوت نہیں) ۔

قل ارأیتم ما تدعون من دون الله ارونی ماذا خلقوا من الارض ام لهم شرک فی السموت۔

(ترجمہ) اے پیغمبر کہئے۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم خدا کو چھوڑ کر کس کی عبادت کرتے ہو۔ مجھے بتاؤ تو سہی کہ آیا انہوں نے زمین میں کچھ پیدا کیا ہے یا آسمانوں کی تخلیق میں ان کا کوئی حصہ ہے۔

یعنی اگر کائنات کی تخلیق میں خدا کے ساتھ کوئی اور شریک ہوتا تو زمین و آسمان میں کہیں تو اس کی اپنی تخلیق کا کوئی نشان ملتا جہاں جدا قسم کے قوانین قدرت نافذ ہوتے۔ ظاہر ہے کہ منکرین قرآن حکیم کے اس سوال کے جواب میں اسی کائنات کا ایک حصہ پیش کرکے معقولیت کے ساتھ نہیں کہہ سکتے تھے کہ یہ حصہ خدا کے اس شریک نے پیدا کیا ہے جسے ہم مانتے ہیں۔ کیونکہ جب کائنات کے اس حصہ میں بھی قوانین قدرت وھی ہیں جو باقی کائنات میں ہیں تو کس طرح سے کہا جا سکتا ہے کہ اس کا خالق وھی نہیں۔ جو باقی کائنات کا ہے۔

فلسفہ سائنس کا ھی ایک شعبہ ہے

فلسفہ اور سائنس کے اس باھمی تعلق کی بناء پر ہم فلسفہ کو سائنس سے الگ نہیں کرسکتے۔ جب تک سائنس کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے دریافت کئے ہوئے حقائق کی تشریح، توجیہہ یا تنظیم کے لئے نظریات قائم کرے۔ فلسفہ اور سائنس میں کوئی واضح امتیاز نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ صرف یہی کہا جاسکتا کہ فلسفہ پوری کائنات کی سائنسی تحقیق کی وہ چوتھی اور آخری منزل ہے جہاں تمام کائنات کا سائنسی علم، تجربہ اور مشاہدہ اور استنتاج کے تینوں مرحلوں سے گذر کر تنظیم نتائج کے چوتھے مرحلہ میں داخل ہوتا ہے۔ دراصل جب سائنسی تحقیق اپنی مجموعی حیثیت سے اپنے آخری درجہ پر پہنچتی ہے تو ہم اسے فلسفہ کہتے ہیں۔

مسلمان سائنسی طریق تحقیق کے موجد اور سائنسی علوم کے بانی تھے

بعض یورپی مصنفوں کی غلط بیانیوں کی وجہ سے دنیا مدت تک اس غلط فہمی میں مبتلا رہی ہے کہ سائنسی علوم اور سائنسی طریق تحقیق کے موجد

یورپ کے لوگ ہیں ۔ چنانچہ بعض لوگوں کا خیال یہ تھا کہ سائنسی طریق تحقیق کا موجد روجر بیکن (Roger Bacon) یا اس کا ایک اور ہم نام ہے لیکن سائنسی علوم کی تاریخ کے موضوع پر حال کی علمی تحقیق نے اس ناقابل تردید تاریخی حقیقت سے پردہ چاک کردیا ہے کہ سائنسی طریق تحقیق جس کی بدولت موجودہ سائنسی علوم وجود میں آکر ترقی پذیر ہوئے ہیں مسلمانوں نے ایجاد کیا تھا اور یورپ کے حالیہ سائنسی علوم کی بنیاد بھی مسلمانوں نے رکھی تھی پھر بعض لوگوں نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ مسلمانوں نے سائنسی طریق تحقیق یونانیوں سے سیکھا تھا اور اپنے سائنسی علوم کی بنیاد یونانیوں کی سائنس پر رکھی تھی ۔ لیکن یہ خیال بھی درست نہیں ۔

تعمیر انسانیت (The Making of Humanity) کا مصنف برفالٹ (Briffault) اس قسم کی تمام غلط فہمیوں کی پر زور تردید کرتے ہوئے لکھتا ہے :

''عصر جدید کی دنیا میں عربوں کی تہذیب کا عظیم الشان حصہ سائنس ہے لیکن اس کے پھل کو پکنے میں کچھ دیر لگی ۔ جب تک ہسپانوی عربوں کی تہذیب تاریکی میں دوبارہ گم نہیں ہوئی ۔ وہ دیو مہیب جس کو اس نے جنم دیا تھا اپنی پوری قوت کے ساتھ کھڑا نہیں ہوا ۔ یہ فقط سائنس ہی نہیں تھی جس نے یورپ کو زندہ کیا ۔ اسلام کی تہذیب کے اور بہت سے اثرات نے یورپ کی زندگی کو اس کی پہلی چمک دمک سے آراستہ کیا ۔''

ص : ۲۰۲

''اگرچہ یورپ کی ترقی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس میں اسلامی تہذیب کے فیصلہ کن اثر کے نشانات موجود نہ ہوں ۔ لیکن یہ اثر کہیں بھی اتنا واضح اور اہم نہیں جتنا کہ اس طاقت کے ظہور میں ہے جو دنیائے جدید کی مخصوص اور مستقل قوت اور اس کی کامیابی کا سب سے بڑا راز ہے یعنی سائنس اور سائنسی طرز فکر'' ۔

ص : ۱۰۹

''ہماری سائنس فقط انقلاب آفریں نظریات کی حیرت انگیز دریافت کے لئے ہی علوم عرب کی احسان مند نہیں بلکہ سائنس اس سے بھی بڑے احسان کے لئے عربوں کی تہذیب کی مرہون منت ہے اور اصل بات تو

یہ ہے کہ وہ خود اپنے وجود ھی کے لئے اس کے زیر احسان ھے۔ دنیائے قدیم یعنی یونانیوں کی تہذیب جیسا کہ ھم دیکھ چکے ھیں سائنس سے پہلے کی دنیا تھی۔ یونانیوں کی فلکیات اور ریاضیات دوسرے ملکوں سے درآمد کی ھوئی چیزیں تھیں جن کو یونانی تہذیب کی آب و ھوا کبھی پوری طرح سازگار نہ آسکی۔ اھل یونان حقائق کو منظم کرتے تھے ان سے عمومی نتائج اور اصول اخذ کرتے تھے اور نظریات قایم کرتے تھے۔ لیکن تحقیق و تجسس کے صبر آزما راستے، مثبت علم کی فراھمی، سائنس کے نکتہ رس طریقے، مفصل اور طویل مشاھدہ اور تجرباتی چھان بین ایسی چیزوں کا اھل یونان کی افتاد طبیعت سے کوئی سروکار نہ تھا۔ قدیم کلاسیکی دنیا کا علمی کام اگر کسی مقام پر ذرا سا بھی سائنسی تحقیق کے نزدیک پہنچا تو وہ یونانیوں کے دور کا اسکندریہ تھا۔ جسے ھم سائنس کہتے ھیں وہ یورپ میں تحقیق کی ایک ایسی نئی روح اور تجسس کے ایسے نئے طریقوں یعنی تجربہ، مشاھدہ اور پیمائش اور ریاضیات کی اس قسم کی ترقی کے طفیل ظہور پذیر ھوئی تھی جس سے اھل یونان محض بے خبر تھے۔ اس روح کو اور ان طریقوں کو یورپ میں عربوں نے داخل کیا۔،،

ص : ١٩٠

،،یورپ میں علوم کا احیاء پندرھویں صدی میں نہیں بلکہ اس وقت ھوا جب عربوں اور موروں کی تہذیب کے اثر سے یورپی تہذیب میں زندگی کی نئی روح پھونکی گئی۔ یورپ کی نئی زندگی کا گہوارہ اٹلی نہیں، بلکہ اسپین تھا۔ مدتوں تک بربریت کی پستیوں میں غرق ھوتے رھنے کے بعد یورپ جہالت اور ذلت کی تاریک ترین گہرائیوں میں پہنچ چکا تھا۔ جب عرب ملکوں کے شہر بغداد، قاھرہ، قرطبہ اور طلیطلہ تہذیب اور علمی مشاغل کے ترقی پذیر مراکز بنے ھوئے تھے ان شہروں میں اس نئی زندگی کا آغاز ھوا جو نوع انسانی کے ارتقا کے ایک نئے پہلو کی صورت میں جلوہ افروز ھونے والی تھی۔ اس وقت سے لیکر جب عربوں کی تہذیب کا اثر محسوس ھونے لگا۔ نئی زندگی حرکت میں آنے لگی۔،،

ص : ١٨٨

لیکن وہ نقطۂ نظر جس کی روشنی میں عرب موجودہ مواد کو کام

میں لاتے تھے یونانیوں کے نقطہؑ نظر کے بالکل متضاد تھا یہ نقطہ نظر بعینہٗ وہ چیز مہیا کرتا تھا جس کا فقدان یونانیوں کے ذہن کا کمزور اور ناقص پہلو تھا۔ یونانیوں کی دلچسپی کا مرکز نظریہ آفرینی اور اصول سازی تھے وہ ٹھوس مشاہداتی حقائق سے بے پرواہ تھے اور ان کو نظر انداز کرتے تھے اس کے برعکس عرب محققین کا ذوق دریافت نظریہ آفرینی سے بے پرواہ تھا اور اس کا مقصود ٹھوس حقائق کو بہم پہنچانا اور اپنی معلومات کو صحت اور کمیت کے معیاروں پر لانا تھا۔ معتبر اور پائیدار سائنس اور ایک ڈھیلے ڈھالے سائنسی ذوق میں جو چیز فرق پیدا کرتی ہے وہ یہ ہے کہ کہنے والا کیفیت نہیں بلکہ کمیت بیان کر رہا ہے اور اپنی پیمائش کو ہر ممکن طریق سے درست کرنے کے لئے بیتاب ہے۔ عربوں کا سارا وسیع و عریض سائنسی کام اسی معروضی تحقیق اور کمیتی صحت و صفائی کے ذوق کے زیر اثر انجام پاتا رہا ہے۔

روجر بیکن نے آکسفورڈ اسکول میں ان لوگوں کے جانشینوں کے ماتحت عربی زبان اور عربی سائنس کا علم حاصل کیا تھا۔ نہ روجر بیکن اور نہ ہی اس کا دوسرا ہم نام اس بات کا اہل ہے کہ اسے سائنسی طریق تحقیق کے موجد ہونے کا اعزاز بخشا جائے، روجر بیکن تو محض عیسائی یورپ کے لئے مسلمانوں کی سائنس کے سفیروں یا پیام رسانوں میں سے ایک تھا اور وہ کبھی یہ کہتے ہوئے نہ تھکتا تھا کہ عربی زبان اور عربی سائنس کا سیکھنا اس کے ہم عصروں کے لئے سچے علم کا ایک ہی راستہ ہے۔ یہ بحثیں کہ سائنسی طریق تحقیق کا موجد کون تھا یورپی تہذیب کے سرچشموں کے بارے میں ایک بہت بڑی غلط بیانی پر مشتمل ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ بیکن سے پہلے عربوں کا تجرباتی طریق تحقیق عام ہوچکا تھا اور یورپ بھر میں اس کا تتبع نہایت ذوق و شوق سے کیا جاتا تھا،،۔

مسلمانوں کو یہ امتیاز کیسے حاصل ہوا

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسکا سبب کیا ہے کہ دنیا کی تمام قوموں میں سے فقط مسلمانوں کو ہی یہ امتیاز نصیب ہوسکا کہ انہوں نے قدرت کے گہرے مشاہدہ اور مطالعہ کو اپنا شعار بنایا۔ یہاں تک کہ وہ اس قابل ہوئے کہ سائنسی طریق تحقیق ایجاد کریں اور سائنسی علوم کی بنیاد رکھیں۔

قرآن کی تعلیمات پر سرسری نگاہ ڈالنے سے بھی اس بات میں ذرا شک باقی نہیں رہتا کہ اس کا سبب خود قرآن حکیم ہے جس کے قریباً ایک تہائی حصہ میں قدرت کے گوناگوں مظاہر کی طرف توجہ دلا کر کائنات کے مشاہدہ اور مطالعہ پر زور دیا گیا ہے۔ دراصل مشاہدہ و مطالعہ قدرت کے لئے سب سے پہلی موثر آواز جو دنیا میں بلند کی گئی ہے وہ قرآن ھی کی آواز ہے۔

مشاہدہ اور مطالعہ٭ قدرت کی قرآنی دعوت

قرآن نے مشاہدہ اور مطالعہ٭ قدرت پر کیوں زور دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کی تعلیم کا نچوڑ یہ ہے کہ خدا کی محبت انسان کی فطرت میں رکھی گئی ہے اور جب تک انسان خدا کی ستائش، عبادت اور اطاعت کے ذریعہ سے خدا کی محبت کا اظہار نہ کرے اس کی شخصیت نشو و نما پا کر اپنے کمال کو نہیں پہنچ سکتی اور اس زندگی میں اور آنے والی زندگی میں ان مسرتوں اور راحتوں کو نہیں پاسکتی جو اس کے کمال کے ساتھ وابستہ ھیں۔ خدا کی محبت کے ذریعہ سے انسانی شخصیت کی تکمیل ھی مقصد کائنات ہے لیکن خدا کی محبت جو انسان کی فطرت میں ہے خدا کی معرفت کے بغیر بیدار نہیں ہوتی اور خدا کی معرفت حاصل کرنے کا طریق یہ ہے کہ انسان خدا کی صنعت یعنی کائنات کو دیکھے، اس پر غور و فکر کرے اور اس کے ذریعہ سے اس کے صانع کے اوصاف، اور محاسن اور کمالات کو جانے اور پہچانے۔ کائنات کا خود بخود وجود میں آنا انسان کی سمجھ میں نہیں آسکتا تو پھر جس ہستی نے کائنات پیدا کی ہے اسکے وجود اور صفات کی شہادت اس کائنات سے بڑھ کر اور کیا ھوسکتی ہے۔

افی اللہ شک فاطر السموت والارض — کیا خدا میں شک ہے جو کائنات کا خالق ہے۔

صنعت کے اندر صانع کی تمام صفات جلوہ گر ہوتی ھیں اور اس کی صنعت سے اس کے مقاصد اور عزائم اور اس کی قابلیتوں اور اھلیتوں کا پتہ چلتا ہے۔ اگرچہ خدا کی شخصیت انسان کی آنکھوں سے مخفی ہے تاھم اسکی صفات حسن کی کارفرمائیاں انسان کی آنکھوں کے سامنے آشکار ھیں۔ جسمانی اور مادی آنکھوں سے مخفی رھنا شخصیت کا خاصہ ہے خواہ شخصیت انسان کی ھو یا خدا کی۔ لیکن جس طرح ھمارے لئے کسی ایسے انسان کی شخصیت کو بھی جو بعد میں ھمارے

جاننے اور پہچاننے کی وجہ سے ھمارا بہترین دوست بن جانے والا ھو۔ جاننے اور پہچاننے کی صرف یہی ایک صورت ھے کہ ھم اسکی اندرونی مخفی صفات کے مظاہر کا جو اسکے اعمال و افعال کی صورت اختیار کرتے ھیں۔ مشاھدہ اور مطالعہ کریں۔ اسی طرح سے خدا کی شخصیت کو جاننے اور پہچاننے کی بھی صرف یہی ایک صورت ھے کہ ھم اسکی مخفی صفات کے مظاھر کا جو قدرت کے حالات اور واقعات اور اعمال و افعال کی صورت اختیار کرتے ھیں۔ مشاھدہ اور مطالعہ کریں۔

خدا کے خالق کائنات ھونے کے معنی یہ ھیں کہ خدا کائنات کے اندر اپنی صفات کے ذریعہ سے موجود ھے اور کائنات اور خدا ایک دوسرے سے الگ الگ نہیں ھوسکتے۔ یہ کائنات سوائے اس کے اور کچھ بھی نہیں کہ خدا کی صفات کی ایک مرئی شکل ھے۔ اگر خدا کی صفات کا ظہور جو کائنات میں ھے غائب ھوجائے تو پوری کائنات ھی فنا ھوجاتی ھے۔

یہی وجہ ھے کہ قرآن حکیم جہاں مومنین سے یہ توقع رکھتا ھے کہ وہ اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے ھوئے خدا کا ذکر کریں۔ وھاں ان سے اس بات کی بھی توقع رکھتا ھے کہ وہ کائنات کی تخلیق (خلق السموت والارض) پر غور و فکر کریں۔

الذین یذکرون اللہ قیاماً وقعوداً اوعلی جنوبھم ویتفکرون فی خلق السموت والارض . ربنا ما خلقت ھذا باطلا سبحنک فقنا عذاب النار

(ترجمہ) ”اور وہ لوگ جو خدا کا ذکر کرتے ھیں کھڑے ھو کر اور بیٹھ کر اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے ھوئے اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر غور و فکر کرتے ھیں (یہاں تک کہ پکار اٹھتے ھیں) اے ھمارے رب، یہ کائنات (جس میں ھم بھی ھیں اور جس کا ذرہ ذرہ تیری صفات حسن کا آئینہ دار اور تیری خالقیت اور ربوبیت کا گواہ ھے) تونے اپنے سچے مقصد کے بغیر پیدا نہیں کی پس (ھمیں کائنات کے اندر اپنے قصد کے ساتھ اعتقادی اور عملی

مطابقت کی توفیق عطا فرما کر)
آگ کے عذاب سے بچائیو،،۔

اور یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم مظاہر قدرت کو خدا کی ہستی اور صفات خالقیت و ربوبیت کی نشانیاں (آیت) کہتا ہے۔

ان فی خلق السموات والارض و اختلاف اللیل والنہار لایت لاولی لالباب

(ترجمہ) اس میں شک نہیں کہ کائنات کی تخلیق میں اور رات اور دن کے اختلاف میں عقلمندوں کے لئے (خدا کی ہستی اور صفات کی) نشانیاں ھیں۔

وفی الارض آیات للموقنین وفی انفسکم افلا تبصرون

(ترجمہ) یقین کرنے والوں کے لئے روئے زمین پر خدا کی ہستی اور صفات کے بہت سے نشانات ھیں اور تمہارے نفوس میں بھی۔

وآیة لهم الارض المیتة احییناها و اخرجنا منها حبا فمنه یاکلون

(ترجمہ) ایک نشان ان کے لئے یہ ہے کہ ھم نے مردہ زمین کو زندہ کیا اور اس سے دانے اگائے جن کو وہ اپنی خوراک کے لئے استعمال کرتے ھیں۔

ان فی خلق السموت و الارض واختلاف اللیل والنهار والفلك التی تجری فی البحر، بما ینفع الناس وما انزل الله من السماء من ماء فاحیا به الارض بعد موتها وبث فیها من کل دابة وتصریف الریاح والسحاب المسخر بین السماء والارض لایت لقوم یعقلون

(ترجمہ) بیشک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات اور دن کے تغیر میں اور کشتی میں، جو سمندر میں لوگوں کو نفع دینے والے تجارتی مال کو لے کر چلتی ہے اور اس بات میں کہ خدا آسمان سے پانی نازل کرتا ہے۔ پھر اس سے زمین کو اسکی موت کے بعد زندہ کر دیتا ہے اور اس بات میں کہ اس نے زمین کے اوپر ہر قسم کے جاندار پھیلا

دئے ھیں اور ھواؤں کی تبدیلیوں میں اور بادل میں جو آسمان اور زمین کے درمیان ٹھہرا دیا جاتا ھے۔ عقلمندوں کے لئے نشانات ھیں۔

ومن آیته ان خلقکم من تراب ثم اذا انتم بشر تنتشرون ومن آیته ان خلق لکم من انفسکم ازواجاً لتسکنو الیها وجعل بینکم مودة ورحمة . ان فی ذالك لایت لقوم یتفکرون .

(ترجمه) اور اس کے نشانات میں سے ایک یه ھے که تم کو مٹی سے پیدا کیا اور تم انسان بن کر زمین پر پھیل گئے اور اس کے نشانات میں سے ایک یه ھے که اس نے تم میں سے ھی تمہارے جوڑے پیدا کئے تاکه تم اپنی بیوی سے سکون قلب حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور ھمدردی پیدا کی۔ بیشک اس بات میں غور کرنے والوں کے لئے نشانات ھیں۔

ومن آیته خلق السموت والارض واختلاف السنتکم والوانکم ان فی ذالك لایت للعلمین
ومن آیته منامکم باللیل والنهار وابتغاء کم من فضله ان فی ذالك لایت لقوم یسمعون

(ترجمه) اور اس کے نشانات میں سے آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور تمہارے رنگوں اور زبانوں کا اختلاف ھے بیشک اس میں اھل عالم کے لئے نشانات ھیں اور اس کے نشانات ھی سے تمہارا دن اور رات کو سونا اور رزق کی صورت میں اسکے فضل کی جستجو کرنا ھے۔ بیشک اس میں ان لوگوں کے لئے نشانات ھیں جو سنتے ھیں۔

وآیة لهم انا حملنا ذرّیتهم فی الفلك المشهون

(ترجمه) اور اس بات میں ان کے لئے خدا کی (ھستی اور صفات) کا ایک نشان ھے که ھم نے

ان کی اولاد کو بھری ہوئی کشتی
میں سوار کر دیا۔

حواس سے کام لے کر مظاہر قدرت کا مشاہدہ کرنا اور دل سے کام لے کر ان پر غور و فکر کرنا اور ان سے صحیح صحیح نتائج اخذ کرنا مسلمان پر فرض قرار دیا گیا کیونکہ ایسا کرنا قرآن کے نزدیک صحیح عقائد اور صحیح اعمال کی بنیاد ہے۔ جو لوگ آنکھیں تو رکھتے ہیں، لیکن دیکھتے نہیں، کان تو رکھتے ہیں لیکن سنتے نہیں اور دل رکھتے ہیں لیکن سوچتے نہیں ان کو چوپایوں سے بدتر اور عذاب جہنم کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔

ولقد ذرانا لجهنم كثير من الجن والانس لهم قلوب لايفقهون بها ولهم اعين لا يبصرون بهاولهم اذان لايسمعون بهاهم كا الانعام بل هم اضل

(ترجمہ) اور بیشک ہم بہت سے ایسے جنوں اور انسانوں کو جہنم کی طرف ہانک دیں گے جن کے دل ہیں لیکن ان سے سوچتے نہیں، آنکھیں ہیں لیکن ان سے دیکھتے نہیں۔ کان ہیں لیکن ان سے سنتے نہیں۔ وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ

جو لوگ اپنے حواس سے کام نہیں لیتے اور اپنے دلوں سے نہیں سوچتے یا تعصب کی وجہ سے غلط سوچتے ہیں ان سے اپنی ان قوتوں کو ضائع کرنے کے لئے باز پرس کی جائے گی۔

ان السمع البصر والفواد كل اولئك كان عنه مسئولا

(ترجمہ) بیشک کان اور آنکھ اور دل ان سب سے پوچھا جائیگا

قرآن حکیم نے آسمانوں اور زمین میں مظاہر قدرت کو دیکھنے کے بعد ان پر غور و فکر کے بغیر آگے گذر جانے سے منع کیا ہے۔ کہ ایسا کرنے سے خدا کی معرفت کے مواقع ہاتھ سے نکل جاتے ہیں۔ اور انسان کی محبت اور شخصیت کا ارتقا نہیں ہوتا۔

وكاين من آية فى السموات والارض يمرون عنها وهم معرضون۔

(ترجمہ) آسمانوں میں اور زمین میں کتنے ہی نشانات (خدا کی ہستی اور صفات حسن کے) ایسے ہیں کہ یہ ان سے گذرتے ہیں

تو منہ پھیر لیتے ہیں (اور ان پر
غور و فکر نہیں کرتے)

کسی مظہر قدرت یا آیۃ اللہ پر غور و فکر ترک کردینا اس سے پہلے کہ اسکی حقیقت پوری طرح سے منکشف ہو یہ بھی اس سے اعراض ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان کو یہ حکم ہے کہ جب موجودات قدرت میں سے کوئی چیز اس کے نوٹس میں آئے تو اسے نظر انداز نہ کرے بلکہ اس کے مشاہدہ اور مطالعہ کا حق ادا کرے اس کی حقیقت اور اصلیت کو پوری طرح سے سمجھے اور خدا کی حکمتیں جو اس کے اندر پوشیدہ ہیں ان سے پوری طرح واقف ہونے کی کوشش کرے۔ گویا جب تک کسی چیز کی حقیقت پوری طرح سے واضح نہ ہو جائے۔ مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ اپنی تحقیق و تجسس کو جاری رکھے۔ حضورؐ نے امت کو ایک دعا سکھائی ہے جو اس مطلب کی تائید کرتی ہے

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ
وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ
اللھم ارنا الاشیاء کما ھی

(ترجمہ) اے خدا ہم کو صداقت بطور صداقت کے دکھا اور اسکی پیروی کرنے کی توفیق دے اور جھوٹ بطور جھوٹ کے دکھا اور اس سے بچنے کی توفیق عطا فرما۔ اے خدا ہمیں اشیاء کو اسی طرح سے دکھا جیسی وہ درحقیقت ہیں۔

حضورؐ کی یہ دعا گویا سائنسی طریق تحقیق کی حمایت کرتی ہے کیونکہ سائنسی طریق تحقیق جو اس بات پر زور دیتا ہے کہ مشاہدہ کے نتائج کو کامل احتیاط سے اخذ کیا جائے اور انتہائی طور پر درست کرنے کی کوشش کی جائے۔ اسکا مقصد یہی ہے کہ اشیاء ویسی ہی نظر آئیں جیسی کہ وہ درحقیقت ہیں۔

تفکر فی الخلق کے قرآنی ارشاد پر عمل کا لازمی نتیجہ سائنسی علوم کی تخلیق اور تکمیل ہے۔

قرآن کی رو سے خدا کی خالقیت اور ربوبیت کے نشانات کائنات کی تینوں سطحوں پر موجود ہیں۔ مادی دنیا کے مظاہر قدرت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے

قرآن حکیم، چاند، سورج اور ستاروں کی حرکت کا، برق و سحاب کا، ہواؤں کے چلنے کا، اختلاف لیل و نہار کا، مینہ برسنے کا، چاند کے گھٹنے بڑھنے کا، پہاڑوں کا، زمین کی ہموار سطح کا، پہلے آسمان اور زمین کے یکجا ہونے اور پھر الگ الگ ہونے کا اور اس طرح کے اور مظاہر قدرت کا ذکر کرکے ان کے مشاہدہ اور مطالعہ کی دعوت دیتا ہے۔ اگر ہم ان مظاہر قدرت کے مشاہدہ اور مطالعہ کا حق ادا کرکے ان کی حقیقت اور اصلیت کو پوری طرح سے سمجھ لیں اور ان کے تمام رموز و اسرار سے اور خدا کی ان تمام حکمتوں سے جو ان کے اندر پوشیدہ ہیں پوری طرح آگاہ ہوجائیں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ تمام طبعیاتی علوم (Physical Sciences) وجود میں آجائینگے۔ اس کی وجہ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے یہ ہے کہ تمام سائنسی حقائق ایک سلسلہ یا نظام بناتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ علمی او عقلی ربط و ضبط رکھتے ہیں اور ایک دوسرے کی طرف دلالت اور راہ نمائی کرتے ہیں۔

اسی طرح سے حیاتیاتی دنیا کے مظاہر قدرت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے قرآن حکیم زمین سے روئیدگی کے نمودار ہونے کا، لہلاتی کھیتیوں کا، غلہ کے پیدا ہونے کا، مختلف رنگوں اور ذائقوں کے پھلوں کا، پانی سے ہر جاندار کے زندہ ہونے کا، کیچڑ سے انسان کی تخلیق کے آغاز کا، زمین سے نسل انسانی کے اگنے کا، زمین میں ہر قسم کے جانداروں کے پھیل جانے کا، پرندوں کے اڑنے کا، سواری کے کام آنے والے اور دودھ دینے والے چوپایوں کا، نباتات اور حیوانات کے ازواج کا، اونٹ کی حیرت انگیز جسمانی ساخت کا، انسان کے قوت فہم و دیدو شنید کا اور ماں کے رحم میں انسانی جنین کی حالتوں کے تدریجی تغیر کا اور اسی طرح کے دوسرے مظاہر قدرت کا ذکر کرکے ان کے مشاہدہ اور مطالعہ کی دعوت دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر ہم ان مظاہر قدرت کا پورا مشاہدہ اور مطالعہ کریں یہاں تک کہ ان کے تمام اسرار و رموز سے آشنا ہو جائیں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ تمام حیاتیاتی علوم(Biological Sciences) مکمل طور پر وجود میں آجائینگے۔

پھر اسی طرح سے نفسیاتی یا انسانی دنیا کے مظاہر قدرت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے قرآن حکیم انسانی تاریخ کے بعض اہم واقعات اور قوانین کا اور انسانی فطرت کے بعض بنیادی قواعد اور حقائق کا ذکر کرتا ہے۔ مثلاً قرآن حکیم ہمیں بتاتا ہے کہ کسطرح سے تاریخ عالم میں پے در پے ایسے انسانوں کا ظہور ہوتا رہا جنھوں نے کہا کہ وہ خدا کے رسول ہیں اور لوگوں کو یہ بتانے آئے ہیں کہ ان کا سچا معبود خدا ہے جو اس کائنات کا خالق ہے۔

کسطرح سے رسولوں کی دعوت کو بعض لوگوں نے قبول کرلیا اور بعضوں نے قبول نہ کیا ۔ کسطرح سے قبول کرنے والوں کے دل اطمینان اور مسرت سے بھر گئے یہاں تک کہ وہ خدا کے لئے طرح طرح کی مصیبتیں اور ذلتیں اٹھانے بلکہ مرنے کیلئے تیار ہوگئے ۔ کسطرح سے انکار کرنے والوں کو تباھی اور بربادی کا سامنا کرنا پڑا یہاں تک کہ وہ نیست و نابود ہوگئے ۔ کسطرح سے خدا کی محبت یا دین انسان کی فطرت میں ھے جو لازوال اور غیر مبدل ھے ۔ کسطرح سے خدا کی عبادت انسان کے دل کو مطمئن کرتی ھے ۔ کسطرح سے نوع انسانی اپنی فطرت کے اصلی تقاضوں کو بھولنے اور مختلف قسم کے غلط اور جھوٹے معبودوں کو اپنانے کی وجہ سے ٹکروں میں بٹ گئی ھے اور کسطرح سے ان کے اتحاد کی صرف یہی ایک صورت ھے کہ وہ اپنے سچے معبود کے سامنے سرتسلیم خم کردیں ۔ کسطرح سے انسان کے دل میں نیک و بد، درست اور نا درست اور خوب و زشت کو پرکھنے کا ایک معیار موجود ھے جو خواہ انسان اس سے گریز کے بہانے بناتا رہے ہر وقت اپنا کام کرتا رھتا ھے ۔ پھر انسانی لاشعور کے بعض ایسے وظائف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جن کو ماھرین نفسیات نے حال ھی میں سمجھا ھے ۔ قرآن حکیم ھمیں بتاتا ھے کہ کسطرح سے انسانی فرد کے تمام چھوٹے اور بڑے اعمال اسکے وجود میں ایک نامہ اعمال کی صورت میں محفوظ رھتے ھیں اور کسطرح سے یہ نامہ اعمال موت کے بعد انسان کے سامنے کھل جائیگا اور وہ کہیگا کہ میرا کوئی چھوٹا یا بڑا فعل ایسا نہیں جو اسکے اندر لکھا نہ گیا ہو وعلیٰ ھذالقیاس ۔ اگر ھم ان حقائق کا پورا پورا تجزیہ کریں اور انکے معانی اور مطالب اور ان کے نتائج اور مضمرات اور اسباب اور عوامل پر پوری طرح سے حاوی ھوجائیں تو تمام انسانی اور نفسیاتی علوم (Human Sciences) اپنی پوری تفصیلات کے ساتھ وجود میں آ جاتے ھیں۔

گویا اگر ھم قرآن حکیم کے اس ارشاد پر کہ مظاھر قدرت پر پوری طرح سے غور و فکر کرو عمل کریں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ھوتا ھے کہ تمام سائنسی علوم آیات اللہ کے ایک سلسلہ کے طور پر وجود میں آجاتے ھیں ۔ مسلمانوں نے جو سائنسی طریق تحقیق ایجاد کیا تھا اور سائنسی علوم کی بنیاد رکھی تھی اسکی اصل قرآن کی یہی تعلیم ھے ۔

منکرین خدا کا مشاھدہ و مطالعہ کائنات

شاید یہاں یہ سوال کیا جائیگا کہ اگر مظاھر قدرت آیات اللہ ھیں تو

کافر یا دھریہ قسم کے سائنسدان جو مظاہر قدرت کا مشاہدہ اور مطالعہ کرتے ھیں خدا پر ایمان کیوں نہیں لے آتے اسکی وجہ یہ ھے کہ ایک منکر خدا کا دل غیر اللہ کی محبت سے معمور ھوتا ھے۔ لہذا وہ مظاھر قدرت کو اس غلط محبت کی روشنی میں دیکھتا ھے اور ان کو اپنے غلط معبود کے ساتھ متعلق کرنے کی کوشش کرتا ھے چونکہ اسکا تصور حقیقت غلط ھوتا ھے وہ مظاھر قدرت کو دیکھ کر ان سے صحیح نتائج اخذ نہیں کرسکتا ظاھر ھے کہ اگر مظاھر قدرت آیات اللہ یعنی خدا کی ھستی اور اسکی صفات، خالقیت و ربوبیت پر دلالت کرنے والے نشانات ھیں تو ان کو آیات اللہ کے طور پر یعنی خدا کی خالقیت اور ربوبیت کے عقیدہ کی روشنی میں ھی ٹھیک طرح سے سمجھا جاسکتا ھے۔ اگر ھم ان کے مشاھدہ اور مطالعہ کو خدا کے عقیدہ سے الگ کردیں تو ان کو ٹھیک طرح سے نہیں سمجھ سکیں گے کیونکہ اس صورت میں ھم ان کو کسی اور قائم مقام عقیدہ کی روشنی میں یعنی کسی جھوٹے خدا کے عقیدہ کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کریں گے مثلاً مادہ کو ھی ایک قادر مطلق، خالق اور رب سمجھ لیں گے اور چونکہ یہ عقیدہ غلط ھوگا وہ ھماری غلط راہ نمائی کرے گا اور ان کے مشاھدہ اور مطالعہ سے ھم جن نتائج تک پہنچیں گے وہ غلط یا ناتمام اور ناقص ھوں گے۔

آنکھوں کی بینائی اور دل کا اندھا پن

قرآن کی رو سے خدا کائنات کا نور ھے (اللہ نور السموت والارض) اس نور سے کائنات کا ایک ایک ذرہ روشن ھے اگر ھم اس نور کے بغیر کائنات کو سمجھنے کی کوشش کریں گے تو ھمارا حال ایسا ھی ھوگا جیسے کوئی شخص رات کے وقت کسی کمرہ کے برقی قمقمے کو بجھا کر گھٹا ٹوپ اندھیرے میں چیزوں کو ٹٹولتا پھرے۔ ایک مومن کو مظاھر قدرت میں تخلیق اور تربیت اور تحفظ اور تحسین اور تجمیل اور تنظیم اور رحمت اور عدل اور حکمت اور علم اور قدرت اور زندگی اور بصارت اور سماعت کے آثار آشکار نظر آتے ھیں۔ اس لئے اس کا یہ یقین اور محکم ھو جاتا ھے کہ اس کائنات کا کوئی خالق ھے جو رب اور رحیم اور قدیر اور حفیظ اور جمیل اور حکیم اور علیم اور قدیر اور سمیع اور بصیر اور حی و قیوم ھے۔ اور اسے یہ بات عجیب معلوم ھوتی ھے کو کوئی منکر خدا یہ کہے کہ کائنات میں تخلیق تو موجود ھے لیکن کوئی خالق نہیں، ربوبیت تو موجود ھے لیکن کوئی رب نہیں، تحفظ موجود ھے لیکن کوئی حفیظ نہیں، جمال موجود ھے لیکن کوئی جمیل نہیں اور رحمت اور عدل اور

حکمت اور علم اور قدرت اور زندگی اور بصارت اور سماعت تو موجود ہیں لیکن کوئی رحیم یا عادل یا حکیم یا علیم یا قدیر یا سمیع و بصیر و حی و قیوم نہیں ۔ لیکن یہ بات منکر خدا کے بس کی نہیں ۔ اس کو کائنات میں نہ خدا کی صفات نظر آسکتی ہیں اور نہ خدا ۔ کیونکہ اس کے دل کی فطری محبت جو سچے خدا کے لئے پیدا کی گئی تھی کسی اور جھوٹے خدا کے لئے مصروف کار ہے ۔ لہذا سچے خدا کے لئے مہیا نہیں ہوسکتی ۔ وہ حقائق کی غلط ترجمانی کرتا ہے کیونکہ اس کی آنکھیں تو دیکھتی ہیں لیکن دل نہیں دیکھتا ۔ اسی حالت کے متعلق قرآن حکیم نے فرمایا ہے کہ جو لوگ مظاہر قدرت کا مشاہدہ اور مطالعہ کرنے کے بعد بھی غلط نتائج پر پہنچتے ہیں ان کی آنکھیں تو اپنا کام کرتی ہیں لیکن دل نہیں دیکھتے ۔

فانها لا تعمی الابصار ولا کن تعمی القلوب التی فی الصدور	(ترجمہ) آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں (وہ سب کچھ دیکھتی ہیں) لیکن دل جو سینوں میں ہیں اندھے ہو جاتے ہیں) (کہ غلط سوچتے اور مشاہدات سے غلط نتائج نکالتے ہیں)

اقبال نے اسی مضمون کو ایک شعر میں ادا کیا ہے :

دل بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

قرآن حکیم کی اس آیت میں اور اقبال کے اس شعر میں بھی دل بینا سے مراد ایسا دل ہے جس میں خدا کی محبت کا فطری جذبہ ابھی غیر اللہ کی محبت کے لئے اس طرح سے صرف نہ ہوا ہو کہ پھر خدا کی محبت کیلئے مہیا نہ ہوسکے یعنی جس میں غیراللہ کی غیر فطری محبت سے بے اطمینانی ابھی باقی ہو جیسی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل کی بے اطمینانی تھی کہ وہ کسی ستارے، چاند یا سورج کو زیادہ دیر تک اپنا رب نہ مان سکے ۔

انسان کی فطرت اس طرح سے بنائی گئی ہے کہ جہاں بھی جس وقت بھی اور جس وقت تک بھی وہ سچے خدا کے عقیدہ سے الگ رہے اس کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ اس جگہ اسوقت اور اسوقت تک وہ سچے خدا کے عقیدہ کی بجائے عملی طور پر کسی اور خدا یعنی جھوٹے خدا کے عقیدہ کو اختیار کرے اور اسی کو کائنات کا خالق اور مالک اور رب سمجھے، خواہ زبانی طور پر اس بات

کا اعتراف کرے یا نہ کرے۔ نظریاتی غیر جانبداری یا بے یقینی انسان کے لئے ناممکن ہے انسان کا دل کبھی کسی معبود یا خدا کے بغیر نہیں رہ سکتا اور انسان کوئی عمل ایسا نہیں کرسکتا جو اس کے دل سے سرزد نہ ہو۔ جب سچے خدا کا عقیدہ انسان کے دل سے ہٹ جائے تو اسی وقت کسی جھوٹے خدا کا متبادل عقیدہ اس کی جگہ لے لیتا ہے۔ اگر انسان کا کوئی عمل (خواہ اسکی نوعیت روحانی ہو یا علمی یا اخلاق یا جمالیاتی) سچے خدا کے عقیدہ کے ماتحت سرزد نہ ہو تو وہ کسی جھوٹے خدا کے عقیدہ کے ماتحت سرزد ہوتا ہے اور غلط ہوتا ہے۔ اسی لئے قرآن کی تعلیمات کے مطابق بتوں سے عملی کفر کرنا خدا پر عملی ایمان لانے کی لازمی شرط ہے۔

ومن یکفر بالطاغوت و یوء من باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقی

(ترجمہ) جو شخص طاغوت سے کفر کرے اور اللہ پر ایمان لائے وہ ایک ایسے مضبوط حلقہ کو گرفت میں لیتا ہے جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتا۔

ہر قسم کے بتوں سے انکار خدا کے اقرار کی ایک ایسی شرط ہے جو انسان کی فطرت نے اس پر عائد کر رکھی ہے۔ اس سے گریز سائنسداں کیلئے سائنسی تحقیقات اور تعلیمات کے میدان میں بھی ممکن نہیں۔

قرآن کے فلسفہ سائنس کی بنیادیں

ان مفروضات سے ظاہر ہے کہ علم کائنات کے متعلق قرآن کے فلسفہ کی بنیاد یہ ہے کہ مصنوع کا علم بغیر صانع کے، اور صانع کا علم بغیر مصنوع کے ممکن نہیں دونوں ایک دوسرے کے علم کے لئے لازم و ملزوم ہیں کیونکہ مصنوع صانع کے داخلی محاسن اور کمالات کا ایک خارجی مظہر ہوتا ہے لہذا صانع کی صفات کا علم مصنوع کے علم کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ کائنات مصنوع اور مخلوق ہے اور خدا اس کا صانع اور خالق ہے۔ لہذا کائنات کا صحیح علم خدا کے علم کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ اگر ہم خدا کی معرفت چاہتے ہیں تو ہمیں کائنات پر جو خدا نے پیدا کی ہے غور و خوض کرنا پڑے گا یہاں تک کہ ہم اس کے اندر خدا کی صفات خالقیت و ربوبیت کا جلوہ دیکھ لیں۔ اور اگر ہم کائنات کو ٹھیک طرح سے سمجھنا چاہتے ہیں تو ہمیں اس کا مشاہدہ اور مطالعہ اس عقیدہ کی روشنی میں کرنا پڑے گا کہ خدا اس کا خالق اور رب ہے اور اس کی صفات اس میں جلوہ افروز ہیں۔

مظاہر قدرت آیات اللہ کیوں ہیں

شاید یہاں یہ سوال کیا جائے گا کہ اگر مظاہر قدرت خدا کے عقیدہ کی طرف راہ نمائی نہیں کرتے بلکہ خدا کا عقیدہ اور مظاہر قدرت دونوں بیک وقت ایک دوسرے کی صحیح حقیقت کی طرف راہ نمائی کرتے ہیں تو پھر وہ آیات اللہ کس طرح سے ہیں۔ لیکن یہ اعتراض قرآن حکیم کے طریق تعلیم کو جو انسان کی فطرت کے حقائق پر مبنی ہے نظر انداز کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ مظاہر قدرت آیات اللہ اس لئے نہیں ہیں کہ وہ خود بخود کسی منکر خدا کے لئے خدا کی صفت خالقیت اور ربوبیت کا منطقی یا استدلالی ثبوت بہم پہنچاتے ہیں۔ بلکہ وہ آیات اللہ اس لئے ہیں کہ ان کی سچی حقیقت جو علمی اور عقلی طور پر سچی ہو صرف خدا کی خالقیت اور ربوبیت کے عقیدہ سے عقلی اور علمی مطابقت رکھتی ہے لیکن ان کی سچی حقیقت کو جاننے کے لئے بھی حقیقت کائنات کے صحیح تصور کی صورت میں ایک صحیح ذہنی پس منظر یا صحیح فلسفہ کی ضرورت ہے کیونکہ اگر یہ پس منظر غلط ہوگا تو وہ ایک حجاب بن جائے گا جو ان کی سچی حقیقت کو نظروں سے اوجھل کردے گا۔

سائنس کے لئے کسی عقیدہ کا پس منظر ضروری ہے

حقیقت کائنات مادہ ہے یا خدا۔ ہم اس سوال کا جواب جو بھی دیں گے ہمارے پیدا کئے ہوئے سائنسی علوم اس نوعیت کے ہوں گے کہ وہ ہمارے اس جواب کے ساتھ مطابقت رکھیں گے۔ ہماری سائنس ہمارے حقیقت کائنات کے تصور سے الگ کوئی صورت اختیار نہیں کرسکتی۔ سائنس ہمیشہ حقیقت کائنات کے کسی تصور کے گہوارہ میں پرورش پاتی ہے اور ظاہر ہے کہ اگر یہ تصور صحیح ہوگا تو سائنس کی ترقی یا پرورش اپنے کمال کو پہنچے گی ورنہ رک جائے گی۔ یہی سبب ہے کہ اب یہ عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ سائنس کسی فلسفیانہ پس منظر کے بغیر نہیں ہوتی۔ اس وقت روس میں جو سائنس کے میدان میں دنیا کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ ملک سمجھا جاتا ہے۔ سائنس کا فلسفیانہ پس منظر مارکسزم کا عقیدہ ہے اور سرمایہ دارانہ نظام کے حامی ممالک میں سائنس کا فلسفیانہ پس منظر یہ عقیدہ ہے کہ اگر خدا کا عقیدہ سائنس کی بنیاد بنایا جائے تو سائنس کی نشو و نما نہیں ہوسکتی اس کے برعکس قرآن کے نقطۂ نظر سے سائنس کا فلسفیانہ پس منظر یہ عقیدہ ہے کہ جب تک خدا کے عقیدہ کو سائنس کی بنیاد نہ بنایا جائے۔ سائنس کی نشو و نما اپنے کمال کو نہیں پہنچتی۔

قرآن کا طریق تعلیم

قرآن حکیم کا طریق تعلیم فطرت کے مطابق ہے اور وہ یہ نہیں کہ وہ اپنے مخاطب کو قائل کرنے کے لئے صغریٰ اور کبریٰ کے سانچوں میں ڈھلی ہوئی منطقی دلائل دیتا ہے بلکہ یہ ہے کہ وہ اپنے مخاطب کے وجدان کو بیدار کرتا ہے جس سے وہ براہ راست ایک ایسی حقیقت کا احساس یا مشاہدہ کرلیتا ہے جس کی طلب اس کی فطرت میں پہلے ہی سے موجود ہوتی ہے۔

بل ھو آیت بینت فی صدوری الذین اوتوالعلم

(ترجمہ) بلکہ قرآن ایسی واضح آیات پر مشتمل ہے جو دانایان راز کے سینوں میں پہلے ہی سے موجود ہیں۔

جس خدا نے قرآن نازل کیا ہے اسی نے انسان کو پیدا کیا ہے اور وہ جانتا ہے کہ اس نے اپنی محبت انسان کی فطرت میں رکھی ہوئی ہے اور اس کی یہی فطری لاشعوری محبت اسے خدا کی طرف راہ نمائی کریگی۔ جب انسان کسی جھوٹے خدا کو مانتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس کا وجدان غلطی سے شہادت دیتا ہے کہ وہ سچا خدا ہے اور وہ اس غلط وجدانی شہادت کو فی الفور قبول کرلیتا ہے تاکہ اپنی فطرت کے ایک زوردار اور ناقابل التوا تقاضا کو پورا کرے۔ عقلی یا منطقی ثبوت کی بنا پر نہ انسان اپنے جھوٹے خدا کو مانتا ہے اور نہ سچے خدا کو۔ لہذا قرآن حکم منکر خدا کے لئے خدا کی ہستی اور صفات کا استدلالی یا منطقی ثبوت نہیں دیتا۔ کیونکہ سننے والے نے ایک جھوٹا خدا پہلے ہی سے استدلالی یا منطقی ثبوت کے بغیر مان رکھا ہوتا ہے۔ قرآن حکیم جب انسان کو دعوت دیتا ہے کہ مظاہر قدرت کا مشاہدہ اور مطالعہ آیات اللہ کے طور پر کرو تو اس کا مقصود دراصل یہ ہوتا ہے کہ مظاہر قدرت کا مشاہدہ اور مطالعہ کرکے یہ دیکھو کہ آیا یہ مظاہر تمہارے جھوٹے خدا کی صفات کے ساتھ علمی اور عقلی مناسبت رکھتے ہیں یا اس سچے خدا کی صفات کے ساتھ جس کی طرف قرآن تمہیں بلاتا ہے اور جس کی محبت اور طلب تمہاری فطرت میں ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اگر انسان مظاہر قدرت کا مطالعہ آیات اللہ کے طور پر کرے گا تو یہ عمل اس کی جستجو کی منزل کا سراغ اور اسکے فطرتی جذبۂ محبت کی تشفی کا سامان بن جائے گا قرآن جب یہ کہتا ہے کہ انسان کا سچا مقصود، معبود یا مطلوب خدا ہے تو وہ کوئی نئی بات نہیں کہتا بلکہ وہی حقیقت بیان کرتا ہے

جو انسان کی فطرت میں غفلتوں کے بوجھ سے دبی ہوئی اور تعصبات کے پردوں میں چھپی ہوئی موجود ہے اور جو خود ابھرنا اور بے نقاب ہونا چاہتی ہے۔ قرآن کائنات کے مشاہدہ اور مطالعہ کی دعوت دے کر اس مخفی اور سوئی ہوئی حقیقت کو آشکار اور بیدار کرتا ہے۔

ایک مثال سے قرآن کے فلسفہ سائنس کی وضاحت

قرآن کا یہ نقطہ نظر کہ کائنات جو مصنوع اور مخلوق ہے اور خدا جو اس کا صانع اور خالق ہے ایک دوسرے کی روشنی میں پوری طرح سمجھے جاسکتے ہیں کسقدر معقول ہے اس کا اندازہ ایک مثال سے ہوسکے گا۔

فرض کیجئے کہ کسی اور دنیا کا رہنے والا ایک سائنسداں دن کے وقت زمین پر کسی ایسی جگہ جہاں سورج نصف النہار پر ہے یکایک خلا سے نازل ہو جاتا ہے اور سب سے پہلے اسے دھوپ میں پڑا ہوا ایک برقی لیمپ دیکھنے کا اتفاق ہوتا ہے جس کا نچلا حصہ لوہے کا بنا ہوا ہے۔ درمیانی حصہ کی ساخت شیشم کی خوبصورت کامدار لکڑی سے ہے اور اوپر ایک رنگین خوبصورت فانوس کے اندر شیشے کا قمقمہ لگا ہوا ہے۔ وہ اتفاقاً لیمپ کا بٹن دباتا ہے اور لیمپ روشن ہو جاتا ہے۔ سائنسداں برقی رو اور اس کے استعمال سے آشنا نہیں اور جس دنیا سے آیا ہے وہاں کے حالات یہ ہیں کہ نہ تو وہاں کبھی اندھیرا ہوا ہے کہ کسی لیمپ کی ضرورت ہو نہ وہاں کوئی دھات موجود ہے نہ لکڑی ہے اور نہ شیشہ اور نہ ربڑ اور نہ کوئی اور چیز جو ایک خوبصورت ٹیبل لیمپ کی ساخت میں کام آتی ہے۔ اب سائنسداں لیمپ کو سمجھنا چاہتا ہے کہ یہ کیا چیز ہے کیسے وجود میں آئی ہے اور اس کا مقصد کیا ہے؟ لہذا وہ خوب غور و فکر کرکے اس کے متعلق اپنے مشاہدات کے نتائج قلمبند کرتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ ایک پتھر یا چٹان کی طرح یہ لیمپ بھی ایک قدرتی چیز ہے اسے معلوم نہیں کہ یہ اس کی مانند کسی سائنسداں نے کسی خاص مقصد کے لئے بنائی ہے۔ ظاہر ہے کہ سائنسداں کی سابقہ معلومات اسقدر ناکافی ہیں کہ وہ اپنی ذہانت کے باوجود فقط اپنے مشاہدات کی بنا پر لیمپ کے روشن ہونے اور بجھنے کے اسباب اور ذرائع کے متعلق اس کی ساخت کے عمل اور طریق کے متعلق اس کے قدرتی مقاصد اور فوائد کے متعلق اگرچہ اپنی طرف سے نہایت ہی معقول اور مدلل نظریات قائم کرے گا لیکن وہ کرۂ ارض کے رہنے والے ایک تعلیم یافتہ انسان کے نزدیک نہایت ہی مضحکہ خیز ہوں گے۔

فرض کیجئے کہ لیمپ کو شروع سے لے کر آخر تک اپنے استعمال کے لئے ایک ہی شخص نے بنایا ہے اور ان خام اشیاء کی بہم رسانی سے لیکر جو اس کی ساخت میں کام آئی ہیں اسکی آخری حالت تک تخلیق کے تمام مرحلوں سے اسی نے گذار کر اسے مکمل کیا ہے۔ پھر فرض کیجئے کہ ایک فرشتۂ رحمت اس کی پریشانی کو دیکھ کر اس کے پاس آتا ہے اور اس کے ہاتھ میں ایک کاغذ دے دیتا ہے جس میں لکھا ہے کہ یہ چیز خود بخود بنی ہوئی نہیں بلکہ ایک خاص شخص نے ایک خاص غرض کے لئے بنائی ہے۔ نیز اگرچہ اس کاغذ میں لیمپ کے متعلق براہ راست کچھ لکھا ہوا نہیں کیونکہ لیمپ تو اس خلائی سائنسداں کے سامنے پڑا ہے لیکن لیمپ ساز کی قابلیتوں اور خوبیوں کی ایک مفصل اور مکمل فہرست اس کے اندر موجود ہے اور یہ لکھا ہے کہ اگر تم چاہو تو اس لیمپ کے اندر لیمپ ساز کی ان قابلیتوں اور خوبیوں کا مشاہدہ کرسکتے ہو۔ اس کاغذ کے مطالعہ سے خلائی سائنسداں کے ذہن میں لیمپ ساز کی شخصیت کا اور اس کی صفات اور کمالات کا پورا تصور قائم ہو جاتا ہے۔ مثلاً اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ لیمپ بنانے والا علوم ریاضیات طبعیات، کیمیا، زراعت اور فنون صنعت سے پوری طرح بہرہ ور ہے اور حسن و زیبائی کا ایک ذوق بھی رکھتا ہے۔ اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ ربڑ کے درخت لگا سکتا ہے جن میں سے ایک خاص قسم کا دودھ نکلتا ہے اور وہ اس دودھ سے ربڑ تیار کرسکتا ہے یا مصنوعی ترکیبی (Synthetic) ربڑ بنا سکتا ہے۔ زمین کو کھود کر خام تانبا نکال سکتا ہے۔ اسے صاف کرکے خالص تانبے کا تار بنا سکتا ہے اور اس تار کے گرد ربڑ چڑھا سکتا ہے۔ خام لوہے کو زمین سے نکال کر صاف کرسکتا ہے اور اسے پگھلا کر حسب ضرورت خوبصورت سانچوں میں ڈھال سکتا ہے۔ شیشم کے درخت لگا سکتا ہے۔ ان درختوں کو کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر سکتا ہے اور ان ٹکڑوں سے ضرورت کی خوبصورت چیزیں بنا سکتا ہے اور ان پر نقش و نگار کھود سکتا ہے۔ مٹی اور ریت سے شیشے کے اجزاء فراہم کرسکتا ہے ان اجزاء کو پگھلا کر شیشے کے برقی قمقموں کی صورت میں ڈھال سکتا ہے۔ ڈائنمو ایسی ایک پیچدار مشین بنا کر پانی کے بہاؤ کی قوت سے بجلی کی رو تیار کرسکتا ہے اور وہ اس رو کی خاصیات سے پوری طرح واقف ہے۔ اسے ربڑ میں لپٹے ہوئے تانبے کے تاروں میں کہیں سے کہیں لے جا سکتا ہے۔ اور اسے اپنے ضبط میں رکھ سکتا ہے اور اس سے حسب ضرورت مختلف کام لے سکتا ہے جس میں سے ایک برقی قمقمے کو روشن کرنے کا کام بھی ہے۔ ظاہر ہے کہ لیمپ ساز کی ان خوبیوں اور قابلیتوں کے علم سے

اس خلائی سائنسداں کے لئے برق ٹیبل لیمپ کا عقدہ کھل جائے گا اور وہ یہ محسوس کرے گا کہ اس کے لئے نہایت ہی آسان ہوگیا ہے کہ لیمپ کے روشن ہونے اور بجھنے کے ذرائع اور اسباب کے متعلق اس کی ساخت کے عمل اور طریق کے متعلق اس کے مقاصد اور فوائد کے متعلق معقول اور صحیح نظریات قائم کرسکے پھر وہ یہ بھی محسوس کرے گا کہ لیمپ ساز کی صفات اور کمالات کے متعلق جو نظری واقفیت اسے بہم پہنچائی گئی ہے وہ لیمپ کے علم کی روشنی میں بہت واضح ہوگئی ہے اور ایک ٹھوس اور مرئی شکل اختیار کر گئی ہے۔ اور اس کے علم کے دونوں شعبے لیمپ کا علم اور لیمپ ساز کا علم ایک دوسرے پر روشنی ڈال رہے ہیں اور ایک دوسرے کو مکمل کر رہے ہیں۔ وہ محسوس کرے گا کہ لیمپ ساز کو جاننے سے خود لیمپ کے متعلق اس کی سابقہ معلومات میں ایک ایسا اضافہ ہوا ہے جو وافر اور گرانقدر ہے اور جو اسے فقط لیمپ کو دیکھنے سے کبھی حاصل نہ ہوسکتا۔ پھر اسے صاف طور پر نظر آجائے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ لیمپ لیمپ ساز کی صفات اور کمالات ہی کا ایک مظہر ہے اور ان کمالات اور صفات کا علم لیمپ ہی کے علم کا ایک حصہ ہے اور اس سے الگ نہیں۔

لیکن فرض کیا کہ خلائی سائنسداں اس فرشتۂ رحمت کے اصرار کے باوجود کاغذ کو پڑھنے کے بغیر یہ کہہ کر پھینک دیتا ہے کہ میں اپنے مشاہدات میں کسی بیرونی مداخلت کو گوارا نہیں کرتا۔ تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں وہ برسوں کی ٹھوکروں کے بعد بھی لیمپ کو پوری طرح سے نہ سمجھ سکے گا اور لیمپ کی حقیقت کے متعلق اس کے مشاہدات کے نتائج ہمیشہ مضحکہ خیز رہیں گے۔

عصر جدید کے مغربی سائنسداں کی غلطی

یہی حال دور حاضر کے مغربی سائنسداں کا ہے کہ وہ کائنات کو اس کے خالق کی صفات کے علم کے بغیر فقط اپنے مشاہدات کے بل بوتے پر سمجھنا چاہتا ہے اور اپنی تحقیقات کے دوران میں اس بات سے قطع نظر کرتا ہے کہ اس کا کوئی خالق ہے اور اس کی صفات خالقیت و ربوبیت اسکی اور اسکے اندر کی ہر چیز کی ماہیت کو معین کرتی ہیں۔ وہ نہیں سمجھتا خدا کی صفات کو کائنات سے الگ کرنے کے بعد اسکا سچا سائنسی مشاہدہ اور مطالعہ ممکن ہی نہیں۔ وہ نہیں جانتا کہ کپڑے کا جو تعلق کپڑے کے تار و پود سے ہے

وهی کائنات کا تعلق خدا کی صفات سے ہے ۔ آج بدقسمتی سے اس کا مسلمان نقال بھی ایسا ہی کر رہا ہے ۔ اس کو بھی اپنے مغربی استاد کی راہ نمائی میں مظاہر قدرت، (جو سائنسدان کے مشاہدہ اور مطالعہ کا موضوع ہیں) کے اندر خدا کا نشان نہیں ملتا حالانکہ اسے بتایا گیا تھا کہ مظاہر قدرت کے اندر خدا کی صفات خالقیت اور ربوبیت اور کارسازی اور حکمت اور قدرت سموئی ہوئی ہیں ۔ اور اگر مظاہر قدرت کی کوئی حیثیت ہے تو وہ یہی ہے کہ وہ آیات اللہ ہیں ۔ ان کی ابتدا اور انتہا خدا ہے اور ان کا ظاہر اور باطن خدا ہے ۔

ھوالاول والآخر والظاہر والباطن	خدا ہی اس کائنات کی ابتدا اور انتہا اور ظاہر اور باطن ہے ۔

قدیم سائنسدانوں کا زاویۂ نگاہ

لیکن ان مسلمان سائنسدانوں کا زاویۂ نگاہ، جنہوں نے سائنسی طریق تحقیق ایجاد کیا تھا اور سائنسی علوم کی بنیاد رکھی تھی اور جو آج کے مسلمان سائنسدان کے مغربی استادوں کے بھی استاد تھے، آج کے مسلمان سائنسدان سے مختلف تھا وہ خدا کو جو کائنات کا صانع اور خالق ہے اور کائنات کو جو اسکی مصنوع اور مخلوق ہے ایک دوسرے سے الگ نہیں کرتے تھے ان کے مشاہدہ و مطالعہ قدرت میں اور سائنسی علوم کی تحقیق اور تدوین میں خدا کی خالقیت اور ربوبیت کا عقیدہ بطور مدار و محور کے تھا ۔ وہ دل سے مسلمان تھے لہذا ان کا خیال یہ تھا کہ جس طرح سے خدا روح و روان کائنات ہے ۔ اسی طرح سے وہ علم کائنات یا سائنس کی روح و رواں بھی ہے ۔ وہ کائنات کا مطالعہ اس لئے کرتے تھے کہ کائنات میں خدا کے تخلیقی اعمال کو سمجھ کر خدا کی صفات کو بہتر طریق سے جانیں اور پہچانیں ۔ اور ان کے نزدیک خدا کا عقیدہ ایک روشنی تھا جس کے بغیر یہ مطالعہ ناممکن بھی تھا اور بے معنی اور بے سود بھی ۔ انہوں نے دور حاضر کے بعض مسلمان سائنسدانوں کی طرح خدا کے عقیدہ کو اپنے سائنسی تجزیہ اور تحقیق کے لئے زیر غور رکھا ہوا نہیں تھا کہ جب سائنس اسے قبول کرلے گی تو وہ بھی اسے قبول کرلیں گے ۔ بلکہ ان کے نزدیک سائنسی تحقیق کے لئے اس عقیدہ سے ہٹ کر نہ کوئی راستہ تھا اور نہ منزل ۔ ان کے نزدیک خدا کی وحی کا عطا کیا ہوا علم ان کے حواس کے علم سے کہیں زیادہ بلند اور زیادہ یقینی تھا ۔ لہذا ان کے دل میں اس بات کا خیال تک بھی نہ آسکتا تھا کہ علم حواس کسی درجہ میں بھی علم وحی کا محک و معیار قرار پاسکتا ہے یا علم

وحی کی تشریح اور تفسیر کے علاوہ کسی اور حیثیت سے اپنا کوئی مقام یا وزن رکھ سکتا ہے۔

سارٹن کا عذر

یہی وجہ ہے کہ ''تاریخ سائنس کا تعارف،، (Introduction to the History of Science) کا مغربی مصنف سارٹن (Sarton) اس بات پر مجبور ہوا ہے کہ ہر دور کے مسلمان سائنسدانوں کے سائنسی کارناموں کا ذکر کرتے وقت ان کے مذہبی معتقدات کا ذکر بھی کرے۔ تاریخ سائنس کے مصنف کی حیثیت سے اس کا یہ اقدام علمی لادینیت اور افتراق مذہب اور سائنس کے اس دور میں یقیناً مشکل سے ہی سمجھ میں آسکتا تھا لہذا وہ اپنے قارئین کو مطمئن کرنے کے لئے اس کا عذر پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

''وہ مسلمان بھی جو قرآن کو مخلوق سمجھتے تھے اس بات پر متفق تھے کہ وہ خود خدا کا کلام ہے لہذا ان کا خیال تھا کہ وہ علم جو ہم محض اپنے غلط بین حواس یا اپنی محدود ذہنی قوتوں کے ذریعہ سے حاصل کرتے ہیں لازماً ناقابل اعتماد اور کمزور ہے اور قرآن نے جو کچھ کہا ہے وہ قطعی طور پر صحیح اور یقینی ہے۔ میں پھر پوچھتا ہوں کہ ہم مسلمانوں کی سائنس کو اس وقت تک صحیح طور پر کیسے سمجھ سکتے ہیں جب تک ہم اس بات کو پوری طرح سے نہ سمجھ لیں کہ وہ قرآن کے محور کے گرد گھومتی ہے......،،

''قرون وسطیٰ میں (جب سائنس کے میدان میں صرف مسلمان ہی پیش پیش تھے-) یہ نقطۂ نظر عام تھا کہ مذہب کی عقلی توجیہ نہ صرف سائنس کا مدار و محور ہے بلکہ مذہب کی قوت بھی ہے لہذا مذہب اور سائنس ناقابل تفریق تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہم ایک کو دوسرے کے بغیر سمجھ نہیں سکتے یہ حقیقت ہے کہ ہماری یہ تحقیق منصفانہ نہیں ہوگی جب تک کہ ہم اس کی بنیاد ''علم مثبت،، کی اپنی تعریف پر رکھنے کی بجائے خود ان لوگوں کی تعریف پر نہ رکھیں جن کی سائنس کی تاریخ ہم لکھنا چاہتے ہیں۔ اب جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں ان لوگوں کی نگاہ میں مذہب کی عقلی توجیہ نہ صرف علم مثبت تھا بلکہ

علم مثبت سے بھی بالاتر کوئی علم تھا ان لوگوں کے فکر کا مرکز (یعنی خدا کا عقیدہ) ہمارے مرکز فکر سے یکسر مختلف تھا،،۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب مسلمان ہی سائنسی طریق تحقیق کے موجد تھے اور سائنسی علوم کی بنیاد بھی انہوں نے ہی رکھی تھی تو پھر اس کی وجہ کیا ہے کہ انہوں نے سائنس کے میدان میں نہ صرف اپنی قائدانہ حیثیت کو کھودیا بلکہ عیسائی دنیا کے ہم دوش بھی نہ رہے اور آخرکار سائنس ہی میں ان کے نقال اور مقلد بن گئے اور پھر اس کی وجہ کیا ہے کہ عیسائی دنیا نے خدا کے عقیدہ کو جو مسلمانوں کی قیادت۔ سائنس کے زمانہ میں سائنسی علوم کا مدار و محور تھا نہ صرف سائنسی علوم سے الگ کردیا بلکہ اسے سائنس کے منافی خیال کرنے لگے اور آج مسلمان بھی ان کی نقل اور تقلید میں ایسا ہی کر رہے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ کسی قوم کی علمی ترقیوں کا باعث اسکی پر امن اور آزادانہ جستجوئے صداقت ہے۔ ہر قوم علم کے میدان میں صرف اسی وقت تک ترقی کر سکتی ہے جب تک وہ صداقت کی جستجو کے لئے یعنی اس صداقت کی جستجو کے لئے جسے وہ خود صداقت سمجھتی ہے آزاد ہو اور اس کی یہ آزادی امن و امان سے ہمکنار ہو۔ جونہی کہ اسکی یہ آزادی ختم ہو جاتی ہے یا خطرہ میں پڑ جاتی ہے اس کی جستجوئے صداقت اور تحقیق علمی کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں کیونکہ ایسی حالت میں یا تو وہ کسی دوسری قوم کی غلام بن جاتی ہے جس سے اس کی زندگی اس صداقت کی جستجو کے لئے وقف ہو جاتی ہے جسے یہ دوسری قوم صداقت سمجھتی ہے اور یا پھر وہ اپنی آزادی کھو دینے کی فکر میں مبتلا ہو جاتی ہے اور اس کی حفاظت کی تگ و دو میں لگ جاتی ہے۔ غرناطہ اور بغداد کی تباہی نے مسلمانوں کی صدیوں کی علمی تحقیق و تجسس کی روایات کو ختم کردیا تھا اور اس کے بعد ان کو پھر پرامن آزادی کا ایسا طویل دور نصیب نہ ہوسکا جس سے وہ اس قابل ہوجاتے کہ ان روایات کو از سر نو اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ زندہ کرسکیں۔

مغرب میں خدا اور سائنس کے افتراق کا بنیادی سبب عیسائیت کی تعلیم ہے

یورپ میں سائنس اور عقیدۂ خدا کے الگ الگ ہوجانے کی بڑی اور بنیادی وجہ عیسائیت کی تعلیم ہے۔ جب سائنس مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل کر عیسائیوں

کے ہاتھوں میں آئی تو کچھ عرصہ کے لئے خدا کا عقیدہ بدستور سائنس کا مرکز بنا رہا لیکن چونکہ دین اور دنیا کا اتحاد سائنس کے دائرہ میں بلکہ انسانی زندگی کے کسی دائرہ میں بھی عیسائیت کی سرشت سے مطابقت نہیں رکھتا تھا اس لئے ایسا وقت آنا ضروری تھا جب عیسائی دنیا سائنس کو خدا کے عقیدہ سے اور خدا کے عقیدہ کو سائنس سے الگ کر دیتی۔ عیسائیت میں دین اور دنیا ایک دوسرے سے الگ تھلگ بلکہ ایک دوسرے کے منافی ھیں۔ جس طرح سے دینی سعادتیں ترک دنیا کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتیں اسی طرح دنیوی کامیابیاں بھی مذہب کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتیں۔ حضرت مسیح نے یہ فرما کر کہ ''جو کچھ قیصر کا ھے وہ قیصر کو اور جو کچھ خدا کا ھے وہ خدا کو دے دو،، نظری طور پر دین کو دنیا سے الگ کردیا تھا اور حضرت مسیح کی ساری عملی زندگی بھی دین اور دنیا کے اس افتراق کی آئینہ دار تھی۔ اس کی وجہ یہ ھے کہ حضرت مسیح جو خدا کے سچے رسول تھے۔ ایک خاص مقصد کے لئے آئے تھے اور وہ یہ تھا کہ دین موسوی کے خاص خاص پہلوؤں پر زور دیں اور بنی اسرائیل کو ریاکاری سے جو ان کی فطرت ثانیہ بن گئی تھی نجات دلا کر اخلاص اور للہیت پر قائم کریں۔ اپنی پوری عملی زندگی میں دین اور دنیا کو جمع کرنا ان کا کام نہیں تھا کیونکہ یہ عظمت اپنے وقت پر خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ میں آنے والی تھی۔ ریورینڈ مارٹن ڈی۔ آرکی (Rev. Martin D' Arcy) اپنی کتاب اشراکیت اور عیسائیت (Communism and Christianity) میں سچ کہتا ھے :—

> ''لیکن ھم اس بات کو جتنی دفعہ بار بار کہیں کم ھے کہ عیسائیت اس لئے وجود میں نہیں آئی تھی کہ کسی قوم یا کسی اعلیٰ قوم کو دنیوی فارغ البالی کا راستہ بتائے۔ یہی بنی اسرائیل کی غلطی تھی اور جب لوگوں نے چاہا کہ حضرت مسیح کو بادشاہ بنادیں تو وہ ان سے بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ گئے،،

عیسائیت میں دین اور دنیا کی علیحدگی ایک اساسی عقیدہ ھے

عیسائیت کی تعلیم یہ ھے کہ انسان اگلی دنیا کی راحتیں اس دنیا کی راحتوں کو ترک کئے بغیر حاصل نہیں کرسکتا۔ مذہب اور سائنس کا آپس میں کوئی تعلق نہیں کیونکہ مذہب انسان کی دنیوی زندگی سے کوئی سروکار نہیں رکھتا اس کا مقصد انسان کی آخروی زندگی کو بہتر بنانا ھے۔ اس کے

برعکس علم کائنات اور سائنس اس دنیا کو بہتر بنانے کے لئے کام آتے ہیں۔ مذہب غیر عقلی اعتقادات کا ایک مجموعہ ہے اور ایک ایسی دنیا کے متعلق رائے زنی کرتا ہے جو ماورائے حواس ہے لیکن سائنس کے نتائج عقل اور مشاہدہ اور تجربہ پر مبنی ہیں۔ لہذا اگر ہم خدا کے عقیدہ کو اپنی علمی بحثوں میں جگہ دیں گے تو ہماری علمی بحثیں عقلیت کے معیار سے گر جائیں گی اور مذہب کے دائرہ میں جو تعصب اور نامعقولیت اور عقل اور علم کی محکومی پر زور دیتا ہے داخل ہو جائیں گی۔ دیکھ لیجئے کہ یہ نقطہ نظر اسلام کے نقطہ نظر سے جو کائنات پر غور و فکر کرنے اور اپنے قوائے دید و شنید اور فہم و فراست کو کام میں لانے پر زور دیتا ہے کسقدر مختلف ہے۔ ابھی ہم نے دیکھا ہے کہ عیسائیت کے برعکس اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ مظاہر قدرت خدا کی ہستی اور صفات کی نشانیاں ہیں۔ خوب غور سے ان کا مشاہدہ اور مطالعہ کرو۔ جو لوگ آنکھوں سے دیکھتے نہیں، کانوں سے سنتے نہیں اور دل سے سوچتے نہیں، ان سے باز پرس کی جائے گی اور ان کی سزا دوزخ ہے۔

کلیسا کی سائنس دشمنی اور عیسائیت کی مذہبی عدالتوں کے مظالم

عیسائیت میں اعتقاد، مشاہدہ اور مطالعہ قدرت سے بے تعلق ہے بلکہ اس کا مخالف ہے اور اسلام میں اعتقاد، مشاہدہ اور مطالعہ قدرت کے بغیر ممکن نہیں۔ عیسائیت کی اسی تعلیم کا نتیجہ ہے کہ کلیسا نے سائنسی فکر کو جب بھی وہ ابھرنے لگا بزور تمام دبا دینے کی کوشش کی۔ عیسائیوں کی مذہبی عدالتوں نے سائنسدانوں پر ایسے ظلم ڈھائے کہ یہ بات مسلم ہوگئی کہ سائنس اور مذہب ایک دوسرے کے ساتھ نہیں چل سکتے اور سائنس کو اگر ترقی کرنا ہے تو اسے ہر حالت میں مذہب سے الگ رہنا چاہئے۔ سائنسدانوں کے دلوں میں یہ خوف راسخ ہوگیا کہ اگر انہوں نے خدا کو سائنس سے اور سائنس کو خدا سے جوڑنے کی کوشش کی تو وہ پھر مذہبی اداروں اور عدالتوں کے محاسبہ کی زد میں آجائینگے اور وہ اور ان کی سائنس دونوں ختم ہو جائیں گے۔ اس کے ساتھ ہی یورپ میں پے در پے ایسے واقعات رونما ہوئے جنھوں نے خدا اور سائنس کے افتراق کو جسے عیسائیت نے جنم دیا تھا اور محکم کردیا۔ کلیسا اور ریاست کے جھگڑوں نے اتنا طول کھینچا اور اتنی شدت اختیار کی کہ بالآخر دونوں کو ایک دوسرے سے الگ ہونا پڑا اور عیسائیت کی تعلیم کے عین مطابق یہ فیصلہ کردیا گیا کہ مذہب کا سیاست سے کوئی علاقہ

نہیں لیکن جب مذہب ایک دفعہ سیاست سے الگ کردیا جائے تو پھر یہ ممکن نہیں ہوتا کہ وہ فرد یا جماعت کی زندگی کے کسی اہم شعبہ پر بھی اپنی گرفت قائم رکھ سکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نہ صرف فرد اور جماعت کی سیاسی زندگی مذہب سے الگ ہوگئی بلکہ ان کی قانونی، سماجی، اقتصادی، فوجی اور تعلیمی اور علمی زندگی کو بھی مذہب سے کوئی تعلق نہ رہا۔ کیسے ممکن تھا کہ مذہب جو ریاست کے کاروبار سے الگ کر دیا گیا تھا پھر اس کاروبار میں اسکول اور کالج اور یونیورسٹی کے چور دروازوں سے داخل کرلیا جاتا۔ سائنس اور علم سے خدا کے عقیدہ کا اخراج جو اس طرح سے عمل میں آیا اگرچہ عیسائیت کے مزاج کا ایک تقاضا تھا جو بالآخر ایک سیاسی حادثہ کے نتیجہ کے طور پر رونما ہوا تھا۔ تاہم کچھ عرصہ کے بعد یہ سمجھ لیا گیا کہ یہ خود سائنس اور علم ہی کا ایک تقاضا ہے۔

انیسویں صدی کی طبیعات کی غلط فہمی

اس غلط فہمی کے ظہور کے لئے عیسائیت کی تعلیم اور کلیسا اور ریاست کی علیحدگی نے حالات پہلے ہی سازگار کر رکھے تھے لیکن جن خاص اسباب نے اسے جنم دیا ان میں سے ایک موثر سبب انیسویں صدی کے ماہرین طبعیات کا مادی نظریہ تھا جس کے مطابق یہ سمجھا جاتا تھا کہ مادہ کائنات کی آخری حقیقت ہے اور کائنات ایک مادی مشین ہے جو اپنے قوانین سے خود بخود عمل کرتی ہے اور جس کے عمل میں خدا کا کوئی دخل نہیں۔ لہذا اس صدی میں یہ خیال اور راسخ ہوگیا کہ درحقیقت سائنس کا خدا یا مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔

ڈارونزم کا زہر اور اسکی عالمگیر خریداری

لیکن جس شخص نے خدا اور مذہب کے خلاف عیسائیت کی علمی دنیا کے تعصب کو آخرکار ایک علمی اور عقلی نظریہ کا مقام اور ایک سائنسی حقیقت کا درجہ دیا وہ ایک ماہر حیاتیات چارلس ڈارون تھا جس نے سبب ارتقا کا ایک نظریہ پیش کیا ہے۔ ڈارون نے انیسویں صدی کی علمی اور عقلی فضا میں پرورش پائی تھی اور وہ بحیثیت ایک سائنسدان کے اس دور کی جامد اور متحجر میکانیت اور مادیت کی پیداوار تھا جس میں عیسائیت کے خلاف سائنسدانوں کا رد عمل اپنی پوری شدت پر تھا۔ لہذا اس نے نوع انسانی کے ظہور کا سبب یہ بتایا کہ کائنات میں ایسی قوتیں کام کر رہی ہیں جن کا کوئی مقصد یا مدعا نہیں

اور جس کو اپنے عمل کے نتائج اور عواقب سے کوئی دلچسپی نہیں ۔ ان قوتوں کو اس نے کشمکش حیات، قدرتی انتخاب، اور بقائے اصلح کے دلفریب نام دئے۔ اس کے نتائج میں سے ایک یہ ہے کہ یہ محض اتفاق ہے کہ انسان عقل و خرد، ہوش و تمیز اور ضمیر اور تخیل ایسی خصوصیات کا مالک بن گیا ہے اور ان کی وجہ سے مذہب اور اخلاق اور سیاست اور تعلیم اور قانون اور جستجوئے علم و فن ایسے مشاغل میں مصروف ہوسکتا ہے ۔ آج جو انسان ہے بالکل ممکن تھا کہ وہ انسان نہ ہوتا بلکہ گندی نالیوں میں رینگنے والا ایک کریہہ المنظر جاندار ہوتا ۔ اگرچہ یہ نظریہ بالخصوص حیاتیاتی ارتقا کے اسباب سے تعلق رکھتا تھا تاہم اس کے نتائج تمام مادی، حیاتیاتی اور انسانی علوم پر بھی اثر انداز ہوتے تھے ۔ ڈارون نے کہا تھا کہ میرا نظریہ بالقوہ ایک پورا فلسفہ کائنات ہے اور اس کا یہ کہنا صحیح تھا ۔ ڈارون کا نظریہ ہر چیز کی تشریح اس طرح سے کرسکتا ہے کہ اگر کوئی روحانی یا آسمانی قوتیں اس کائنات میں کارفرما ہیں تو پھر بھی کائنات کے حقائق کی تشریح کیلئے ان کے ذکر کی کہیں ضرورت پیش نہیں آتی ۔ لہذا یہ نظریہ انیسویں صدی کی ذہنی اور علمی فضا کے ساتھ جو مادیت پسندی اور مذہب دشمنی سے معمور تھی خوب ہی مطابقت رکھتا تھا ۔ کوئی تعجب نہیں کہ اسے ڈارون کے عہد کی علمی دنیا نے بالعموم قبول کرلیا اور یہ اس کے بعد سے لیکر آج تک بھی تمام سائنسی علوم کی ترقیوں کی نوعیت پر گہرے اثرات پیدا کرتا چلا آرہا ہے ۔ یہ اسی نظریہ کی نحوست کا اثر ہے کہ آج یہ سمجھا جا رہا ہے کہ ہر مظہر قدرت جو طبعیاتی یا حیاتیاتی یا انسانی دنیا سے تعلق رکھتا ہے عمل ارتقا کا ایک اتفاقی نتیجہ ہے ۔ اور ہم اس کے ماضی کے قریبی حالات اور واقعات سے اس کی مکمل اور معقول تشریح کر سکتے ہیں ۔

کور چشمی کی ایک بین مثال

ڈارون ایک پکا عیسائی تھا۔ اس کے باوجود اسے عمل ارتقا کے اندر جو خالق کائنات کی رب العلمینی کا ایک شاندار اور یقین افروز مظہر ہے خدا کیوں نظر نہیں آیا اور کیوں اسکی بجائے بے شعور اور بے مقصد مادی اور میکانکی قوتیں کام کرتی ہوئی نظر آئیں ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا دل خدا کے عقیدہ کے خلاف ایک علمی قسم کے تعصب سے معمور تھا اور یہ تعصب اس اروپائی نظریۂ علم کی پیداوار تھا جو یورپ کے مخصوص حالات اور واقعات اور خود تعلیم عیسائیت کے زیر اثر فروغ پاکر انیسویں صدی میں عام ہوچکا تھا کہ خد

کے عقیدہ کو سائنس سے کوئی تعلق نہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ ڈارون کے زمانہ میں عیسائی دنیا کے سائنسدان اس پر ٹوٹ پڑے اور انہوں نے اسے ایک نعمت عظمیٰ سمجھ کر قبول کرلیا ۔ یہ کتنا بڑا جھوٹ ہے اور کتنی بڑی کور چشمی ہے جسے سائنس کے نام پر پیش کیا جا رہا ہے کہ اس کائنات میں عمل ارتقا سے انسان جیسی ایک محیر العقول ہستی کا ظہور محض اتفاق ہے اور کسی خالق کائنات رب کی ربوبیت کی کارفرمائی نہیں ۔ سچ ہے کہ جب دل اندھے ہوں تو محض آنکھوں کے دیکھنے سے کائنات کا علم حاصل نہیں ہوسکتا ۔

فانہا لاتعمی الابصار ولا کن تعمی القلوب التی فی الصدور	(ترجمہ) بیشک آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں لیکن دل جو سینوں میں ہیں اندھے ہوجاتے ہیں ۔

خدا کے عقیدہ کے خلاف عیسائی مغرب کے سائنسدانوں کا علمی تعصب لا علاج ہے

وہ علمی اسباب جنہوں نے یورپ میں سائنسی لادینیت کے نامعقول عقیدہ کو ایک علمی تصور کا مقام دیا تھا، قریباً ختم ہوچکے ہیں ۔ مثلاً اب بعض چوٹی کے ماہرین طبعیات نے انیسویں صدی کی طبعیات کو رد کرکے یہ بتایا ہے کہ حقیقت کائنات مادہ نہیں، بلکہ شعور ہے اور ڈارون کے نظریہ* ارتقا کو برگساں (Bergson) اور ڈریش (Driesch) ایسے نامور ماہرین حیاتیات نے محل نظر ٹھرا کر اس کے بالمقابل نہایت ہی معقول اور مدلل نظریات پیش کئے ہیں جن کا ماحصل یہ ہے کہ ارتقا کا باعث کوئی باشعور قوت ہے جو اپنے مقاصد کے لئے کائنات میں عمل پیرا ہے ۔ تاہم خدا کے عقیدہ کے علمی مقام کے خلاف جس تعصب کا بیج گزشتہ صدیوں میں یورپ میں بویا گیا تھا اس کی بیخ کنی ابھی تک نہیں ہوسکی اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی جڑیں بہت گہری ہیں اور وہ عیسائیت کی سرشت میں ہیں جسکا کائناتی نقطہ نظر اہل یورپ کی زندگی میں سمویا ہوا ہے لہذا اہل یورپ کا اس سے نجات پانا بہت مشکل ہے اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ شعور کو حقیقت کائنات کہنے والے مغربی ماہرین طبعیات اور ماہرین حیاتیات بھی اس کو خالق کائنات خدا کہنے سے گریز کرتے ہیں ۔

سائنس اور خدا کے افتراق کے مہلک نتائج

عیسائی مغرب کا خدا کے عقیدہ کو سائنس سے خارج کر دینا عالم انسانیت کا ایک نہایت ہی المناک حادثہ ہے جو بظاہر نہایت ہی خاموش اور پرامن اور بے ضرر تھا لیکن نوع انسانی کی بے شمار قدیم و جدید مصیبتیں اور بدبختیاں اور بربادیاں اور تباہیاں ایسی ہیں کہ اگر ان کے اسباب کا تجزیہ کیا جائے تو ان کا آخری اور بنیادی سبب یہی حادثہ نکلتا ہے۔ اسی کی وجہ سے نوع انسانی ٹکڑوں میں بٹ گئی ہے اور ہر ٹکڑے نے اپنا نسلی، یا لسانی، یا ثقافتی یا جغرافیائی بت پوجنے کے لئے کھڑا کرلیا ہے۔ اسی کی وجہ سے قوموں کی زندگی باہمی رقابتوں اور مسابقتوں کا اکھاڑہ بنی ہوئی ہے۔ اسی کی وجہ سے استعمار پرستی اور شہنشاہیت اور ان کی ملحقہ برائیاں انسانوں پر مسلط ہوتی رہی ہیں، اسی کی وجہ سے انسانیت دو ہولناک عالمگیر جنگوں کی تباہ کاریوں کا سامنا کر چکی ہے اور تیسری عالمگیر جنگ کے خطرہ سے دو چار ہے۔ اسی کی وجہ سے اشتراکیت کا خوفناک فتنہ کھڑا ہوا ہے۔ اسی کی وجہ سے دنیا بھر میں جنسی بے راہ روی اور اخلاقی گراوٹ اور نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی جرم پسندی اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہے اسی کی وجہ سے دنیا بھر کے ملکوں میں خودکشی کرنے والوں اور دماغی ہسپتالوں میں داخل ہونے والوں کی تعداد روز افزوں ترقی پر ہے۔ اسی نے علم کی تقدیس کو ختم کرکے اسے محض مادی منفعت طلبی کا ایک آلہ بنادیا ہے۔ اسی کی وجہ سے طالب علموں کے دلوں سے پروفیسروں اور استادوں کا احترام رخصت ہوگیا ہے اور تعلیمی اداروں کے ضبط اور نظم کا سلسلہ ٹوٹ کر رہ گیا ہے۔ اسی کی وجہ سے مادی اور حیاتیاتی سائنسوں کی ترقی کی رفتار متواتر سست ہوتی گئی ہے اور نفسیاتی اور انسانی سائنسوں کی ترقی مدت سے رکی ہوئی پڑی ہے۔ اور اسی کی وجہ سے مذاہب کے درمیان کی خلیجیں سمٹنے کی بجائے اور وسیع ہوتی جا رہی ہیں۔

مسلمانوں کی افسوسناک غلطی:
عیسائی مغرب کے دانشدانوں کی کورانہ تقلید اور اسلامی فلسفہء علم کی ناقدردانی

یورپ کی علمی دنیا عیسائیت کے نقائص کی وجہ سے خدا کے عقیدہ کے خلاف علمی تعصب کی جس بدبختی کا شکار ہوئی ہے وہ مسلمانوں کے حصہ میں نہ آسکتی تھی کیونکہ اسلام ان نقائص سے پاک ہے لیکن ہم نے اسلام

کی تعلیمات کو اور اپنے آبائے اولیں کی روایات کو بھلا کر اور یورپ کی کورانہ تقلید کو اپنا کر اس سے حصہ لیا ہے۔

اے بعشق دیگراں دل باختہ آبروئے خویش را نشناختہ
اقبال

اسلام کی رو سے خدا کا عقیدہ سائنس کی کلید اور بنیاد ہے

اسلام میں خدا کے عقیدہ کا کوئی اختلاف سائنس سے نہیں بلکہ اسلام کی رو سے خدا کا عقیدہ سائنس کی کلید ہے جس کے بغیر سائنس پوری طرح سائنس نہیں بن سکتی اور اپنے کمال کو نہیں پہنچ سکتی۔ اسلام انسان اور کائنات کا علم ہے۔ خدا کا عقیدہ جو اسلام کی روح ہے کائنات کی روح بھی ہے۔

اللہ نور السموت والارض خدا آسمانوں اور زمین کا نور ہے

اور جس طرح سے وہ کائنات کی روح ہے اسی طرح سے وہ علم کائنات یا سائنس کی روح بھی ہے اور کائنات میں کائنات کے تینوں طبقے مادہ (matter) جاندار (life) اور نفس انسانی (mind) شامل ہیں۔ خدا وہ قانون قوانین ہے جو مادہ، جاندار اور انسان تینوں پر حاوی ہے اور جس کے سامنے تینوں سر تسلیم خم کئے ہوئے ہیں کوئی خوشی سے اور کوئی بادل ناخواستہ۔ مادہ اور جاندار اور مومنین کی جماعت تو اس قانون پر اپنی رضا و رغبت سے عمل کرتے ہیں لیکن منکرین خدا اس قانون پر بجبر و اکراہ عمل پیرا ہیں کیونکہ جب وہ سچے خدا کو خدا نہیں مانتے تو انہیں مجبوراً کسی جھوٹے خدا کو خدا ماننا پڑتا ہے اور پھر اس جھوٹے خدا سے مایوس ہوکر اور دکھ اور نقصان اٹھا کر وہ زود یا بدیر سچے خدا کی طرف گھسٹتے ہوئے آتے ہیں۔ جو لوگ دین اسلام سے جس کی روح خدا کا عقیدہ ہے انحراف کرنا چاہتے ہیں خدا ان کو تنبیہ کرتا ہے کہ مایوسی اور دکھ اور نقصان اٹھانے کے بغیر تم ایسا نہیں کرسکو گے اور پھر بھی آخرکار اسی کی طرف ہانکے جاؤ گے۔ کیونکہ اسلام کی روح تو وہ قانون ہے جس پر عمل کرنے کے لئے کائنات کی ہر چیز طوعاً و کرہاً مجبور ہے۔ پھر اس انحراف سے تمہیں فائدہ کیا ہے۔

افغیر دین اللہ یبغون ولہ اسلم (ترجمہ) کیا وہ خدا کے دین کو

من فی السموت و الارض طوعاً وکرھاً والیہ یرجعون

(جو سچے خدا کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کی دعوت دیتا ھے) چھوڑ کر کسی اور دین کو اختیار کرنا چاھتے ھیں ۔ حالانکہ سچے خدا کے سامنے آسمانوں اور زمین کی ھر چیز سر تسلیم جھکائے ھوئے ھے خوشی سے یا بادل ناخواستہ اور (آخرکار) وہ (بھی جو بادل ناخواستہ اس کے سامنے جھکے ھوئے ھیں بخوشی) اس کی طرف لوٹ آئیں گے (پھر اب تمھیں اس انحراف سے کیا حاصل ھے)

اس دور کے مسلمان سائنسدانوں اور فلسفیوں کا غلط نقطۂ نظر

آج اگر ھم اپنے کسی مسلمان بھائی سے جو کہیں سائنس یا فلسفہ کے پروفیسر ھوں یہ کہیں کہ آپ مادی، حیاتیاتی اور نفسیاتی سائنسوں میں ایسے نظریات کی تعلیم دے رھے ھیں یا ایسے نظریات کی بناء پر علمی تحقیقات کرا رھے ھیں جو عقلی اور علمی لحاظ سے خدا کے عقیدہ کے ساتھ متصادم ھوتے ھیں یا اس کو نظر انداز کرتے ھیں تو ان کا جواب یہ ھوتا ھے ''صاحب میں بھی آپ کی طرح مسلمان ھوں ۔ لیکن سائنس اور فلسفہ مذھب سے الگ چیزیں ھیں ۔ ان کو خدا کے عقیدہ سے اور خدا کے عقیدہ کو ان سے الگ رھنا چاھئے ۔ یہاں تک کہ سائنس اور فلسفہ بالآخر ان کو ثابت کردیں ۔ سائنس مشاھدات کے بے لاگ نتائج پر اور فلسفہ غیر جانبدارانہ استدلال پر مبنی ھے ۔ پہلے سے طے کیا ھوا اعتقاد ایک تعصب ھے جو علم کو رنگدار اور اس کی صحت اور صفائی کو داغدار کردیتا ھے ۔ اگر ھم سائنس یا فلسفہ کی تحقیقات میں کسی عقیدہ سے آغاز کریں گے تو نہ ھماری سائنس سائنس رھے گی اور نہ ھمارا فلسفہ فلسفہ رھے گا ۔ پھر یہ دونوں چیزیں مذھب ھی بن کر رہ جائیں گی ۔ سائنس علت اور معلول کے پورے سلسلہ کو معلوم کرنا چاھتی ھے لیکن اگر آپ خدا کے عقیدہ کو سائنس کی بنیاد بنادیں گے تو پھر چونکہ خدا ھر معلول کی علت ھے اس کا مطلب یہ ھوگا کہ آپ نے ھر معلول کی علت کو پہلے ھی سے معلوم کرلیا ھے لہذا آپ کو سائنسی تحقیق کی ضرورت ھی نہیں رھے گی ۔''

حقیقت وجود اور حقیقت علم کے
کسی عقیدہ کے پس منظر کے
بغیر سائنس ناممکن ہے

لیکن یہ جواب از سر تا پا غلط ہے اور کئی مغالطوں سے پر ہے ۔ پہلا مغالطہ تو اس میں یہ ہے کہ سائنس یا فلسفہ کی کوئی ایسی صورت بھی ہوسکتی ہے جو کسی عقیدہ پر مبنی نہ ہو بلکہ عقیدہ کے لحاظ سے غیر جانبدار ہو۔ اوپر میں نے یہ عرض کیا تھا کہ سائنس کسی فلسفیانہ پس منظر کی محتاج ہے اور ہمیشہ حقیقت کائنات اور حقیقت علم کے متعلق کسی اعتقاد کے گہوارہ میں پرورش پاتی ہے۔ کیا اس بات کے ثبوت کے طور پر یہ بات کافی نہیں کہ روس کی سائنس سرمایہ دار ممالک کی سائنس سے اور سرمایہ دار عیسائی ممالک کی سائنس روس کی سائنس سے مختلف ہے اور مختلف رکھی جاتی ہے، دونوں میں سے ہر فریق دوسرے کی سائنس کو غلط قرار دیتا ہے۔ ان کے مختلف ہونے کی وجہ سوائے اس کے اور کیا ہے کہ دونوں کے پس منظر کے نظریات ، جن کے زیر اثر ان کی نشو و نما ہوئی ہے، الگ الگ ہیں ۔ دونوں فریق ایک ہی طرح کے مشاہدات سے مختلف نتائج اخذ کرتے ہیں جو ان کے نظریات کے مطابق ہوتے ہیں کیونکہ کوئی فریق اپنی انسانی فطرت کے بے پناہ قوانین کی وجہ سے اپنے نظریہ کے دائرہ سے باہر قدم نہیں رکھ سکتا ۔ روس کی سائنس علی الاعلان اس عقیدہ سے آغاز کرتی ہے اور آخر تک اس پر قائم رہتی ہے کہ

> ”حقیقت کائنات مادی ہے اور اس قسم کی ہے کہ سائنسی حقائق سے گہرا تعلق رکھتی ہے ۔ لہذا اگر ہم دونوں کے اس تعلق کو مانیں گے اور اپنی سائنسی تحقیق کو اس کی روشنی میں انجام دیں گے تو ہمارے سائنسی نتائج درست ہوں گے اور اگر ہم اس تعلق کو نہ مانیں گے اور اپنی سائنسی تحقیق کو حقیقت کے مادی تصور کی روشنی میں انجام نہ دیں گے تو ہمارے سائنسی نتائج غلط ہوکر رہ جائیں گے“۔

یہ عقیدہ ایک مذہب کا جزو ہے اور کوئی سائنسی حقیقت نہیں، کیونکہ سائنسی مشاہدہ یا تجربہ سے ثابت شدہ نہیں اس مذہب کو روس والے جدلی مادیات (Dialectical materialism) کا نام دیتے ہیں ۔ سرمایہ دار عیسائی ملکوں کی سائنس اس بات کا اعتراف نہیں کرتی کہ وہ کسی عقیدہ سے آغاز کرتی ہے یا کسی عقیدہ پر مبنی ہے لیکن دراصل اسکا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ

''حقیقت کائنات مادی ہو یا روحانی یا کچھ اور وہ اس قسم کی ہے کہ سائنسی حقائق سے اسکا کوئی تعلق نہیں سوائے اس کے جو کسی وقت خود سائنس ہی ثابت کردے لہذا اگر ہم دونوں کی اس موجودہ بے تعلقی کو مانیں گے اور اپنی سائنسی تحقیق کو اس کی روشنی میں انجام دیں گے تو ہمارے سائنسی نتائج درست ہوں گے اور اگر ہم دونوں کی اس بے تعلقی کو نہ مانیں گے اور اپنی سائنسی تحقیق کو حقیقت کے کسی تصور کی روشنی میں انجام دیں گے تو ہمارے سائنسی نتائج غلط ہوکر رہ جائیں گے''۔

یہ عقیدہ بھی ایک مذہب کا جزو ہے اور کوئی سائنسی حقیقت نہیں جو کسی تجربہ یا مشاہدہ سے ثابت ہوتی ہو۔ زمانۂ حال کے مفکرین نے اس مذہب کو سائنٹزم (Scientism) کا نام دے کر دوسرے مذاہب سے ممیز کیا ہے۔

مذہب سائنٹزم کا تضاد

مذہب سائنٹزم (Scientism) کا تضاد جو اسے معقولیت کے پایہ سے گرا دیتا ہے یہ ہے کہ اس کا پیرو یہ سمجھتا ہے کہ وہ اپنی سائنس کی مدد سے کسی وقت حقیقت کائنات کی پردہ کشائی کرے گا۔ حالانکہ اس کی سائنس خود حقیقت کائنات کے ایک تصور پر مبنی ہے۔ اور جب تک وہ سائنٹزم کا معتقد ہے اس کے دائرہ سے باہر نہیں جا سکتی اور وہ حقیقت کائنات کا تصور خود سائنٹزم ہے۔ کسی تصور حقیقت کی ضرورت ایک انسان کے لئے اسقدر فوری اور شدید اور ناگزیر ہے کہ کوئی سائنسداں ایک لمحہ کے لئے بھی اسے ملتوی نہیں کرسکتا چہ جائیکہ اسے اپنے سائنسی نتائج کی متوقع پختگی تک برسوں کے لئے اٹھا رکھے۔ انسان اپنے تصور حقیقت کا براہ راست مشاہدہ یا احساس کرتا ہے اسکو ثابت نہیں کرتا۔ اس کی علمی تحقیق اس کے تصور حقیقت کو دریافت نہیں کرتی بلکہ اس کا تصور حقیقت اس کی علمی تحقیق کی راہ نمائی کرتا ہے۔

اسلام کی رو سے سائنس کا بنیادی عقیدہ یہ ہے :۔

''حقیقت کائنات روحانی ہے اور وہ اس قسم کی ہے کہ سائنسی حقائق سے گہرا تعلق رکھتی ہے۔ لہذا اگر ہم دونوں کے اس تعلق کو مانیں گے اور اپنی سائنسی تحقیق کو اس کی روشنی

میں انجام دیں گے تو ہمارے سائنسی نتائج درست ہوں گے اور اگر ہم اس تعلق کو نہ مانیں گے اور اپنی سائنسی تحقیق کو حقیقت کے روحانی تصور کی روشنی میں انجام نہ دیں گے تو ہمارے سائنسی نتائج غلط ہوکر رہ جائیں گے۔،،

یہی وہ فلسفۂ سائنس ہے جس کی روشنی میں عہد قدیم کے مسلمانوں نے سائنسی طریق تحقیق ایجاد کیا تھا اور سائنسی علوم کی بنیاد رکھی تھی۔

سائنس کے اسلامی اور اشتراکی فلسفوں میں فرق

ظاہر ہے کہ اسلامی فلسفۂ سائنس اور اشتراکی فلسفۂ سائنس میں صرف یہی ایک فرق ہے کہ اشتراکی فلسفۂ سائنس میں حقیقت کائنات مادی ہے اور اسلامی فلسفۂ سائنس میں حقیقت کائنات روحانی ہے ورنہ دونوں ایک ہیں۔ دونوں بیانگ دھل اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ ان کی سائنس ایک عقیدہ پر مبنی ہے۔ جب دنیا بھر میں سائنسداں اپنی تحقیقات کی بنیاد کسی عقیدہ پر رکھتے ہیں اور کسی عقیدہ سے آغاز کرنے کے بغیر کسی سائنس داں کا چارۂ کار نہیں تو پھر کیا مسلمانوں کے لئے ہی یہ جرم ہے کہ وہ سائنس کی بنیاد کسی عقیدہ پر رکھیں۔ کیا اس کو جرم قرار دینے والے خود بھی اس جرم کے مرتکب نہیں۔

ع ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

سائنس کی صحیح اعتقادی بنیاد سائنس کی درستی اور ترقی کے لئے ناگزیر ہے

جب ہم مجبور ہیں کہ سائنسی تحقیق کی بنیاد کسی نہ کسی عقیدہ پر رکھیں تو کیا ضروری نہیں کہ وہ عقیدہ درست ہو اور درست تصور حقیقت پر مبنی ہو تا کہ ہمارے سائنسی نتائج غلط نہ ہوں۔ کیا مسلمان کا یہ تصور کہ خدا ہی اس کائنات کی سچی حقیقت ہے تمام ممکن تصورات حقیقت میں صرف ایک ہی تصور حقیقت نہیں جو صحیح اور سچا ہے۔ تو پھر اگر اشتراکی اور عیسائی سائنسداں اپنے اپنے باطل تصورات حقیقت پر اپنی اپنی سائنس کی بنیاد رکھ سکتے ہیں اور یہ دعوی کرسکتے ہیں کہ صرف ان ہی کی سائنس صحیح ہے تو مسلمان اپنے صحیح اور سچے تصور حقیقت پر سائنس کی بنیاد کیوں نہیں رکھ سکتا اور پھر اس کے بعد کیوں یہ دعوی نہیں کر سکتا کہ صرف اسی کی سائنس صحیح ہے۔

سائنس اور فلسفہ کسی خدا کو ثابت نہیں کرتے بلکہ بلا ثبوت کسی خدا کو مان کر آگے چلتے ہیں

دوسرا مغالطہ اس میں یہ ہے کہ سائنس اور فلسفہ خدا کو ثابت کرسکتے ہیں اور کسی وقت خدا کو ثابت کرسکیں گے۔ اسی مغالطہ میں یہ بات بھی شامل ہے کہ سائنس کی بنیاد مشاہدات کے بے لاگ نتائج پر اور فلسفہ کی بنیاد غیر جانبدرانہ استدلال پر رکھی جاتی ہے حالانکہ سائنس اور فلسفہ خود اپنے وجود کے لئے کسی جھوٹے یا سچے خدا یعنی حقیقت کائنات کے کسی غلط یا صحیح تصور کے محتاج ہیں۔ وہ کسی نہ کسی خدا کو پہلے مان کر آگے چلتے ہیں لہذا وہ خدا کو کیسے ثابت کرسکتے ہیں۔ اگر وہ کسی خدا کو ثابت کرسکتے ہیں تو وہ وہی خدا ہوتا ہے جسکو وہ پہلے مان لیتے ہیں اور اگر وہ سچے خدا کے تصور پر مبنی نہ ہوں تو سچے خدا کو ثابت نہیں کرسکتے۔ اوپر یہ عرض کیا گیا تھا کہ انسانی فطرت کے قوانین کی وجہ سے (جن کے سامنے ایک سائنسداں بھی سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہے) سائنس ہمیشہ کسی تصور حقیقت کے ماتحت وجود میں آتی ہے۔ کوئی نہ کوئی تصور حقیقت انسان کا نصب العین ہوتا ہے جو اس کی پوری عملی زندگی پر حکمران ہوتا ہے اور انسان کی عملی زندگی سے اس کی سائنسی سرگرمیاں الگ نہیں ہوسکتیں۔ اور اس کے مشاہدات کے سائنسی نتائج بے لاگ نہیں ہوتے بلکہ اس کے نصب العین کے رنگ میں رنگے ہوئے ہوتے ہیں۔ اسی طرح سے فلسفی کی فلسفیانہ سرگرمیاں بھی اس کی عملی زندگی سے جدا نہیں کی جا سکتیں۔ فلسفی بھی کسی نہ کسی تصور حقیقت سے آغاز کرتا ہے جس کو وہ بلا ثبوت پہلے ہی مان چکا ہوتا ہے اور پھر اپنے استدلال کا سارا زور یہ ظاہر کرنے کے لئے صرف کرتا ہے کہ حقائق عالم اس تصور حقیقت کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں تا کہ اس کا مخاطب بھی اس کی معقولیت کا احساس کرلے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ وہ کسی تصور حقیقت کو غیر جانبدارانہ استدلال سے ثابت کر رہا ہے۔ حالانکہ یہ بات نہیں ہوتی۔ وہ پہلے ہی بلا ثبوت کسی تصور حقیقت کا قائل ہوچکا ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تصور حقیقت حسن کا ایک تصور ہوتا ہے اور حسن کو محسوس کیا جاسکتا ہے، دیکھا جاسکتا ہے، لیکن ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ نہ اپنے لئے اور نہ دوسروں کے لئے۔ پہلے سے طے کئے ہوئے اعتقاد کے بغیر سائنس اور فلسفہ دونوں ممکن نہیں ہوتے۔ اقبال نے اس مضمون کو یوں ادا کیا ہے :

فلسفه و شعر کی اور حقیقت ہے کیا
حرف تمنا جسے کہہ نہ سکیں روبرو

علم و فن از پیش خیزان حیات
علم و فن از خانہ زادان حیات

زندگی سرمایہ‌دار از آرزوست
عقل از زائیدگان بطن اوست

اعتقاد کی حقیقت یہ ہے کہ وہ کسی تصور کے اوصاف حسن اور صداقت اور خیر کا ایک احساس ہوتا ہے اور ان اوصاف کی آرزو اس میں شامل ہوتی ہے۔ اقبال اعتقاد ہی کو کبھی عشق اور کبھی آرزو اور کبھی تمنا کہتا ہے اور اسے سرمایۂ زندگی یا سرمایۂ حیات قرار دیتا ہے۔ آرزو زندگی یا حیات کا خاصہ ہے۔

عقیدہ توحید کے مظاہرات کا انکار

تیسرا مغالطہ اس میں یہ ہے کہ آپ اسلام کے بنیادی معتقدات کے ساتھ جیسا برتاؤ بھی چاہیں کریں، جب چاہیں انہیں چھوڑ دیں یا معطل اور خارج از عمل کردیں اور جب چاہیں انہیں اختیار کرلیں موثر بنادیں اور عمل میں لے آئیں۔ ایک کوٹ یا سوئٹر کی طرح جب چاہیں انہیں پہن لیں اور جب چاہیں مصلحت یا موسم یا نزاکت طبع کے تقاضا سے اتار کر رکھ دیں۔ آپ ویسے کے ویسے ہی مسلمان رہیں گے یہ خیال درست نہیں۔ ہمارے بعض سائنسدانوں کا خیال یہ ہے کہ سائنسی تحقیق نماز کی طرح کی کوئی چیز نہیں کہ اس میں خدا کے عقیدہ کو پیش رکھا جائے یا خدا کے عقیدہ کے مضمرات کی روشنی میں جاری رکھا جائے۔ لیکن ہم یہ بات فراموش کردیتے ہیں کہ سائنسی تحقیق مظاہر قدرت کے مشاہدہ اور مطالعہ ہی کا دوسرا نام ہے۔ تعجب ہے کہ ہمارا خدا تو یہ کہے کہ مظاہر قدرت خدا کی ہستی اور صفات کی نشانیاں ہیں اور ان کا مشاہدہ اور مطالعہ اسی نقطۂ نظر سے کرو اور ہم صاف کہہ دیں کہ "نہیں تو یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ خدا کی صفات کا مظاہر قدرت سے کیا تعلق"؟ اور پھر بھی ہمارے اعتقاد یا ایمان میں کوئی فرق نہ آئے یہاں تک کہ ہمیں توبہ کرنے کی بھی کوئی ضرورت نہ ہو۔ یہ ایمان بھی بی‌بی تمیز کے وضوئے محکم کی طرح ہے جو کسی حالت میں بھی ٹوٹ نہیں سکتا تھا۔ مسلمان

کو تو یہ حکم ہے کہ وہ خدا کے عقیدہ کو اپنی پوری عملی زندگی کی قوت محرکہ بنائے جو ہر چھوٹے بڑے کام میں اسکی راہ نمائی کرے۔ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے اور لیٹے یا کھڑے ہو کر، کسی وقت بھی خدا کو نہ بھلائے۔ ہر کام سے پہلے بسم اللہ پڑھے تاکہ اسے معلوم رہے کہ ہر کام خدا کے حکم کے مطابق اور خدا کی رضامندی کے لئے کرنا ہے۔ یہاں تک کہ برتن ڈھانپے تو خدا کا نام لے، چراغ بجھائے تو خدا کا نام لے، کسی چٹان یا پہاڑ کے پاس سے گذرے تو خدا کا نام لے۔ ان احکام کے پیش نظر سائنس کی تحقیق یا تعلیم کے وقت عمداً خدا کے نام کو حذف اور خدا کے عقیدہ کو معطل کردینا اسلام کے مقاصد کے مطابق کس طرح سے ہے۔ پھر جو شخص سائنسی تحقیقات یعنی مظاہر قدرت کا مشاہدہ اور مطالعہ کرتے وقت خدا کا نام تو لیتا ہے لیکن قرآن کی تعلیمات کے مطابق مظاہر قدرت کے اندر خدا کی صفات کو سمویا ہوا نہیں مانتا وہ خدا کے اعتقاد کے مضمرات کا جیسا کہ قرآن نے ان کی تشریح کی ہے، منکر نہیں تو اور کیا ہے۔

سائنسی تحقیق کو عقیدہ توحید کی روشنی سے محروم کردینا نہ صرف سائنس کو غلط کردینا بلکہ اپنی عملی زندگی کو بھی غلط راستہ پر ڈال دینا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ سائنسی تحقیقات کے وقت خدا کے عقیدہ کو پیش پیش رکھنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا نماز کے وقت۔ کیونکہ سائنسی تحقیق میں آپ کی مصروفیت کا مطلب یہ ہے کہ آپ وہ مشین تیار کر رہے ہیں جو فرد اور قوم کی پوری زندگی کو حرکت میں لائے گی۔ وہ مشین آپ کی قوم کا علم ہے۔ ہر قوم کا عمل اس کے علم کائنات پر مبنی ہوتا ہے اگر ہم علم سے خدا کے عقیدہ کو خارج کردیں گے تو ضروری ہے کہ وہ قوم کی پوری عملی زندگی سے خارج ہو جائے۔ اگر کسی قوم کا علم لادینی ہے تو اس کی عملی زندگی بھی لادینی ہوگی۔ مسلمانوں کا دینی اور اعتقادی انحطاط ہی ان کے مجموعی انحطاط کا باعث ہوا ہے۔ اسی سے ان کی وحدت اور یک جہتی کا انحطاط، ان کا اقتصادی انحطاط، سیاسی انحطاط، اخلاقی انحطاط اور ان کے انحطاط کی اور تمام قسمیں پیدا ہوئی ہیں لیکن مسلمانوں کے دینی اور اعتقادی انحطاط کا بنیادی سبب بھی ہے کہ انہوں نے عیسائی مغرب کی کورانہ تقلید میں علم یا سائنس سے خدا کا عقیدہ خارج کردیا ہے۔ علم کے بگڑنے اور سنورنے سے ہی ذہن بگڑتے

اور سنورتے ھیں اور جب ذھن بگڑتے ھیں تو عمل بھی بگڑتا ھے اور جب ذھن سنورتے ھیں تو عمل بھی سنورتا ھے - یہی مطلب ھے قرآن کی اس آیت کا: ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیر و اما بانفسھم (ترجمہ) بیشک خدا کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک ان کے ذھنوں میں تغیر نہ آجائے۔ علم سے خدا کا عقیدہ خارج کردینے کے بعد یہ شکایت کرنا کہ ھماری عملی زندگی میں خدا کا عقیدہ باقی نہیں رھا ، عبث ھے۔

جس طرح سے کائنات کے طبعیاتی اور حیاتیاتی طبقے خدا کی خالقیت اور ربوبیت کے مظاھر ھیں۔ اسی طرح سے کائنات کا نفسیاتی اور انسانی طبقہ بھی خدا کی خالقیت اور ربوبیت کا مظہر ھے۔ تاھم جس طرح سے ھمارے طبعیاتی اور حیاتیاتی علوم خدا کے تصور سے محروم ھیں، اسی طرح سے ھمارے وہ سائنسی علوم بھی جنھیں انسانی علوم کہا جاتا ھے خدا کے عقیدہ سے بے تعلق ھیں - اور یہی علوم ھیں جو انسانی زندگی کے مختلف شعبوں کے فلسفے ھیں - جب ھمارے فلسفۂ سیاست، فلسفۂ اخلاق، فلسفۂ اقتصادیات، فلسفۂ قانون، فلسفۂ تعلیم اور فلسفۂ تاریخ میں خدا کے عقیدہ کے لئے کوئی جگہ نہ بن سکے تو کیسے ممکن ھے کہ ھماری عملی زندگی میں جو ھمارے سیاسی، اخلاق، اقتصادی، قانونی اور تعلیمی اعمال و افعال پر مشتمل ھوتی ھے خدا کے عقیدہ کی کوئی گنجائش نکل آئے اور جب ھماری عملی زندگی کا کوئی پہلو بھی ھمارے اپنے ھی کئے کی وجہ سے خدا سے متعلق نہیں ھوسکتا تو اس بات کی شکایت کیا معنی رکھتی ھے کہ ھم خدا سے دور ھوتے جا رھے ھیں - انسان اس طرح سے بنایا گیا ھے کہ اس کی عملی زندگی کے کسی حصہ میں بھی نظریاتی غیرجانبداری (neutrality) ممکن نہیں - اگر وہ اپنی سائنسی تحقیق سے سچے خدا کو خارج کرے گا تو اسے وھاں اس کی بجائے شعوری یا لاشعوری طور پر کسی جھوٹے خدا یا بت کو رکھنا پڑے گا اور پھر اس کا جھوٹا خدا یا بت اس کی سائنس کو سائنس کے پایہ سے گرا دے گا۔ زمانۂ حال میں اس بت کو کہیں اشتراکیت کا نام دیا جاتا ھے کہیں لادینی وطنیت اور قومیت کا اور کہیں لادینی جمہوریت کا - چونکہ دل کا خانہ کبھی خالی نہیں رھتا - جب تک بتوں سے کفر نہ کیا جائے خدا پر ایمان لانا ممکن نہیں ھوتا - یہی وجہ ھے کہ قرآن خدا پر ایمان لانے سے پہلے بتوں سے کفر کرنے پر زور دیتا ھے -

ومن یکفر بالطاغوت و یومن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقی (ترجمہ) جو شخص بتوں سے کفر کرتا ھے اور خدا پر ایمان لاتا

17408

ہے بیشک وہ ایک مضبوط حلقہ
کو تھام لیتا ہے

عیسائی مغرب کی کورانہ تقلید سے باز آنے اور قرآن کے فلسفہ سائنس کی طرف جلد از جلد رجوع کرنے کی بجائے ہم اپنی اس ہمالیہ جتنی بڑی غلطی کی تلافی اس طرح سے کر رہے ہیں کہ ہم نے لادینی سائنسی علوم کے ساتھ ایک اور مضمون کا جسے دینیات یا اسلامیات کہا جاتا ہے اضافہ کردیا ہے اور علوم اسلامیہ کی الگ درسگاہیں اور سوسائٹیاں اور انجمنیں اور دارالعلوم اسلامیہ اور موتمر علوم اسلامیہ ایسے ناموں کے ساتھ قائم کردی ہیں ۔ اس کا الٹا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ہمارے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے ذہن میں یہ خیال اور بھی راسخ ہوگیا ہے کہ اسلام اصل علم سے الگ کوئی چیز ہے اور علوم اسلامیہ کا تعلق کسی حالت میں بھی سائنسی علوم سے نہیں ۔

خدا کی خالقیت اور ربوبیت سے انکار

حقیقت یہ ہے کہ وہ مسلمان سائنسدان یا فلسفی جو اپنے پورے اختیار کے ساتھ خدا کے عقیدہ سے الگ ہوکر یا اسکے علمی اور تحقیقی تقاضوں کو نظر انداز کرکے سائنس یا فلسفہ کی تعلیم اور تحقیق میں مصروف ہوتا ہے اگر ہم اس کی نفسیات کو ذرا بغور دیکھیں تو ہمیں صاف نظر آجائے گا کہ یہ کہنا اس کے ساتھ بے انصافی ہرگز نہیں کہ اسے اسلام کے خدا پر یقین ہی نہیں رہا تاہم وہ خدا کے سچے عقیدہ سے الگ ہوتا ہے تو اس کی جگہ ایک اور غلط عقیدہ کو قبول کرتا ہے ۔

تمام علمی سچائیوں کو روشن کرنے والی حقیقت

فلسفی اور سائنسدان سچائیوں کی جستجو میں سرگرداں رہتے ہیں ۔ اگر ایک ایسی سچائی جو قطعی اور یقینی طور پر سچائی ہو اور جس کے غلط ہونے کا کوئی بھی امکان نہ ہو کسی فلسفی یا سائنسدان کے ہاتھ لگ جائے تو وہ نعمت عظمیٰ سمجھ کر اس سے چمٹ جاتا ہے کیونکہ وہ اسے اور سچائیوں کی جستجو میں مدد دیتی ہے اور اس کے لئے ایک روشنی کا مینار بن جاتی ہے جس سے علم کا نور دور دور تک پھیل جاتا ہے اور دوسری سچائیوں کو روشن کرتا جاتا ہے ۔ سائنسی تحقیق کا کوئی نتیجہ اگر اس کے ساتھ مطابقت رکھتا ہو

تو وہ یقینی طور پر صحیح جان کر قبول کرلیا جاتا ہے اور اگر مطابقت نہ رکھتا ہو تو بوثوق تمام غلط سمجھ کر رد کردیا جاتا ہے۔ فرض کیا کہ کسی ایسے ذریعہٴ علم سے جو بالاتفاق اور مسلم طور پر آنکھوں کے دیکھنے سے بھی ہزار گنا زیادہ قابل اعتماد ہے سائنسدانوں کے گروہ کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ خدا فی الواقع موجود ہے اور وہ اس کائنات کا خالق اور رب ہے اور اسکی صفات خالقیت اور ربوبیت اس کائنات میں سموئی ہوئی ہیں تو پھر کیا یہ ممکن ہے کہ ان کی سائنسی تحقیق اس حقیقت کی راہ نمائی کے بغیر ایک قدم بھی آگے اٹھا سکے۔ یقیناً وہ اسے اپنی سائنسی تحقیق کی بنیاد یا کلید کا درجہ دیں گے اور اسے سب سے بڑی سچائی سمجھیں گے۔ لیکن عیسائی مغرب کے سائنسدانوں کے نزدیک خدا کا تصور اس درجہ کی یقینی اور قطعی حقیقت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس کو اپنی سائنسی تحقیق کے لئے مشعل راہ نہیں بناتے۔ خدا کے تصور کو سائنسی حقیقت سے بالاتر اور زیادہ یقینی اور زیادہ قابل اعتماد کسی حقیقت کا مقام دینا تو درکنار وہ ابھی اسے معمولی سائنسی حقیقت کا مقام بھی نہیں دیتے بلکہ اسے سائنس کے منافی سمجھتے ہیں۔ لہذا وہ اسے اپنی سائنسی تحقیق کی بنیاد کیسے بنا سکتے ہیں۔ لیکن مسلمان تو یہ مانتا ہے کہ خدا کا تصور فی الواقع سائنسی حقیقت سے بھی بالاتر مقام رکھنے والی قطعی اور یقینی حقیقت ہے۔ اور اسی یقین کی وجہ سے وہ مسلمان ہے۔

خلاف قرآن عقیدہ

پھر اگر کوئی فلسفی یا سائنسدان ایسا ہو جو اپنے آپ کو مسلمان کہنے کے باوجود مغربی عیسائی سائنسدانوں کی تقلید میں خدا کے عقیدہ کو فلسفہ اور سائنس سے بے تعلق یا فلسفہ اور سائنس کے منافی خیال کرتا ہو تو کیا یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ اس نے قرآن کی تعلیمات کے خلاف ایک نیا عقیدہ بنا لیا ہے۔ اس کے نزدیک خدا کا تصور تمام سچائیوں کو روشن کرنے والی سچی حقیقت نہیں۔ اور وہ اسلام کے خدا کو اس طرح سے نہیں مانتا جس طرح سے اسلام اس سے توقع رکھتا ہے۔ ورنہ خود فلسفہ اور سائنس ہی کا تقاضا یہ تھا کہ وہ خدا کے عقیدہ کو فلسفہ اور سائنس کی راہ نما حقیقت کے طور پر کام میں لاتا اور اس کی روشنی میں فلسفہ اور سائنس کی صداقتوں کی کامیاب جستجو کرتا۔

معکوسی کا سحر

اگر عہد قدیم کے ان مسلمانوں کو جو سائنس کے بانی تھے یہ کہا جاتا

کہ سائنس کو خدا کے عقیدہ سے اور خدا کے عقیدہ کو سائنس سے الگ کردو تو یہ بات ان کی سمجھ میں نہ آسکتی اور وہ کہنے والے کو دیوانہ یا احمق سمجھتے ۔ پھر کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ اگر آج کسی مسلمان سائنسدان کو کہا جائے کہ خدا کا عقیدہ سائنس کی لازمی بنیاد ہے جس کے بغیر وہ من کل الوجوہ اور مجموعی طور پر ترقی نہیں کر سکتی تو یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آسکتی۔ یہ الٹی ذہنیت عیسائی مغرب کی کورانہ تقلید سے پیدا ہوئی ہے اور یہ کورانہ تقلید مغرب کی محکومیت اور مرعوبیت کا نتیجہ ہے ۔ محکومی کا خاصہ ہے کہ وہ قوموں کا ضمیر بدل دیتی ہے ۔ جو چیز ان کو محکومی سے پہلے اچھی نظر آتی تھی محکومی کے بعد رفتہ رفتہ بری نظر آنے لگتی ہے اور جو چیز محکومی سے پہلے بری نظر آتی تھی محکومی کے بعد رفتہ رفتہ اچھی نظر آنے لگتی ہے ۔

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

اشتراکیوں کے نزدیک مادہ اپنی نام نہاد جدلی صفات کے سمیت ایک ایسی ہی یقینی حقیقت ہے جیسی کہ ایک سچے مسلمان کے نزدیک خدا اور اس کی صفات رحمت و ربوبیت ۔ لہذا انھوں نے مادہ اور اسکی مزعومہ جدلی صفات کو اپنی سائنس کا راہ نما تصور بنایا ہے یہاں تک کہ ان کی سائنس اس تصور کے دائرہ سے ایک انچ باہر نہیں جا سکتی۔ اگر اشتراکی اپنے جھوٹے خدا کے عقیدہ پر سائنس کی بنیاد رکھ سکتا ہے تو مسلمان کو کیا مجبوری ہے کہ وہ اپنے سچے خدا کے عقیدہ پر سائنس کی بنیاد نہیں رکھ سکتا۔ لیکن سچ بات تو یہ ہے کہ آج کافر کو اپنے جھوٹے خدا پر جسقدر یقین ہے مسلمان کو اپنے سچے خدا پر نہیں ۔

پانچواں مغالطہ اس میں یہ ہے کہ خدا کا عقیدہ سائنسداں کے لئے علت اور معلول کے پورے سلسلہ کو دریافت کرنے میں سہولت کی بجائے رکاوٹ پیدا کرتا ہے ۔ حالانکہ خدا کے عقیدہ میں یہ بات ہرگز شامل نہیں کہ خدا اپنی تخلیق کے لئے ظاھری اور خارجی اسباب و علل کے ایک سلسلہ سے کام نہیں لیتا بلکہ اس عقیدہ میں یہ بات ایک ضروری عنصر کے طور پر شامل ہے کہ خدا مسبب الاسباب اور علت العلل اور حقیقت الحقائق ہے اور اس کی تخلیق ظاھری اور خارجی اسباب و علل کے ایک سلسلہ کی صورت اختیار کرتی ہے جو ہمارے مشاہدہ اور مطالعہ میں آسکتا ہے۔ اس سلسلہ کی دریافت

ھمارے مشاھدہ اور مطالعہؑ قدرت پر موقوف ھے اور ھم دیکھ چکے ھیں کہ اس مشاھدہ اور مطالعہ کا حق ادا کرنا خود خدا کے عقیدہ کی رو سے ھمارے لئے کسقدر ضروری ھے اور یہ کہ مشاھدہ اور مطالعہ سے درست نتائج اخذ کرنے کے لئے بھی خدا کا عقیدہ کسقدر اھمیت رکھتا ھے۔ مظاھر قدرت میں سلسلہ اسباب و علل کی ھر کڑی یعنی ھر علت اور ھر سبب بذات خود ایک مظہر صفات باری تعالیٰ اور ایک آیت اللہ ھے اور مرد مومن کے مشاھدہ اور مطالعہ کا ایسا ھی حقدار ھے جیسے کہ اور مظاھر قدرت کیونکہ وہ بھی اپنی نوعیت یا ماھیت خدا کی صفات کے عمل سے اخذ کرتا ھے اور خدا کی صفات کا آئینہ دار ھے۔ خدا کے عقیدہ کی وجہ سے سائینس داں کی تحقیق پر صرف یہ اثر پڑتا ھے کہ وہ ھر علت اور سبب کے اندر خدا کی صفات کا جلوہ دیکھتا ھے اور لہذا اس کو پوری طرح سمجھتا ھے۔ حضور کی اس دعا کے مطابق جو اوپر نقل کی گئی ھے مسلمان کا فرض ھے کہ وہ اشیاء کو اس طرح دیکھے جس طرح کہ وہ فی الواقع ھیں۔ اگر اسباب و علل کا سلسلہ جیسا کہ وہ فی الواقع ھے کسی خاص مقام پر نہیں رکتا تو وہ سائینس داں جو سچا مسلمان ھے اپنی سائنسی تحقیق کو خدا کے عقیدہ کی وجہ سے اسے وھاں روکنے کی کوشش نہیں کرے گا بلکہ اسے آگے لے جائے گا اور اس کی انتہا تک پہنچنے کی کوشش کرے گا اور یقین کے معاملہ میں کافر مسلمان پر سبقت لے گیا ھے۔

کافر بیدار دل پیش صنم
بہ ز دیندارے کہ مرد اندر حرم

غلطی سے رجوع کرنا، حالت انحطاط سے نجات کا واحد راستہ ھے

اگر ھم اپنی موجودہ یاس انگیز حالت انحطاط سے نجات پانا چاھتے ھیں تو اس کا طریق سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ ھماری جو بڑی غلطی اس کا سبب بنی ھے اس پر اصرار کرنا ترک کردیں اور اس سے رجوع کریں۔ عیسائی مغرب کی تقلید میں سائنس کو خدا سے اور خدا کو سائنس سے الگ نہ کریں۔ قرآن کے ارشاد کے مطابق مظاھر قدرت کا مطالعہ آیات اللہ کے طور پر کریں تمام سائنسی علوم یعنی مادی، حیاتیاتی اور نفسیاتی اور انسانی علوم کو مقدس اور اسلامی علوم سمجھیں کیونکہ وہ ھمارے خدا کی پیدا کی ھوئی مقدس کائنات کے اور آیات اللہ کے تشریحی علوم ھیں اور اپنے ان آبائے اولین کی

روایات کو زندہ کرتے ہوئے جو دنیا کے سب سے پہلے سائنسدان تھے خدا کے عقیدہ کو پھر اسی طرح سائنس کی اساس بنادیں جس طرح وہ پہلے تھا۔

سائنسی علوم کی ماڈل اسلامی یونیورسٹی کی ضرورت

اس مقصد کے حصول کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم سب سے پہلے سائنسی علوم کی ایک مثالی اسلامی یونیورسٹی بنائیں جس کی طرز پر بعد میں اور یونیورسٹیاں بنائی جا سکیں۔ اس یونیورسٹی کے لئے ایم۔ ایس سی تک تمام سائنسی علوم کی نصابی کتابوں کو قرآن کے فلسفۂ علم کی روشنی میں نئے سرے سے اس طرح لکھیں کہ خدا کی خالقیت اور ربوبیت عالم کا عقیدہ ہر سائنسی علم کا مرکز اور مدار اور محور بن جائے۔ اور طالب علم کو یہ محسوس ہونے لگے کہ وہ اس علم کا مطالعہ نہیں کر رہا بلکہ خدا کی صفات خالقیت اور ربوبیت کا مطالعہ کر رہا ہے۔ جیسا کہ ان کا ظہور کائنات کے اس طبقہ یا حصہ میں ہوا ہے جس کا علم اس کو بہم پہنچایا جا رہا ہے۔

سائنسی علوم کی تشکیل جدید کے بنیادی اصول — اول

سائنسی علوم کی تشکیل جدید کے دوران میں سب سے پہلی بات جو ہمیں مدنظر رکھنی چاہئیے وہ یہ ہے کہ صحیح تصور حقیقت کو سائنسی علوم کے اندر سمونے سے تمام غلط سائنسی علوم تبدیل ہوکر درست ہوتے ہیں اور تبدیلی نہ صرف ان علوم کے نقطۂ نظر اور ان کی غرض و غایت میں ہوتی ہے بلکہ ان کا متن یا مواد بھی بدل جاتا ہے۔ لیکن ان کے متن یا مواد کے اندر جو تبدیلی رونما ہوتی ہے وہ طبعیاتی علوم میں بہت کم حیاتیاتی علوم میں اس سے زیادہ اور نفسیاتی یا انسانی علوم میں بہت زیادہ ہوتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں ان کے مواد کے اندر تبدیلی کی وسعت اسی نسبت سے زیادہ ہوتی جاتی ہے جس نسبت سے کائنات کا وہ طبقہ جس سے وہ تعلق رکھتے ہیں شعوری مقصدی فعلیت کے وصف سے قریب ہوتا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر نظریۂ کائنات، مقصد کائنات کا ایک نظریہ بھی ہوتا ہے اور وہ کائنات کے طبقوں میں سے کسی طبقہ کے علم کے اندر اتنا ہی داخل ہوسکتا ہے جتنا کہ خود اس طبقہ کے اندر کائنات کا مقصد شعوری طور پر آزاد یا آشکار ہو۔ مادہ مقصدی فعلیت سے بالکل محروم ہے لہذا نظریہ کی نوعیت

Islamic Studies LIBRARY New Delhi

مادی یا طبعیاتی علوم پر بہت کم اثر انداز ہوتی ہے - حیوان غیر شعوری مقصدی فعلیت سے بہرہ ور ہے لہذا نظریہ کی نوعیت حیاتیاتی علوم پر مادی علوم کی نسبت زیادہ اثر انداز ہوتی ہے لیکن انسان خود شعور ہے اور آزادانہ شعوری مقصدی فعلیت کی استعداد رکھتا ہے - لہذا نظریہ کی نوعیت نفسیاتی یا انسانی علوم پر حیاتیاتی علوم سے بھی بہت زیادہ اثر انداز ہوتی ہے - یہاں تک کہ ایک نئے نظریہ کی روشنی میں یہ سائنسی علوم یکسر بدل جاتے ہیں - اور یہ سائنسی علوم وہ ہیں جو انسان کی عملی زندگی کے لئے سب سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں - ان کے غلط ہونے سے انسان کی ساری عملی زندگی غلط ہو جاتی ہے یہاں تک کہ وہ دوسرے سائنسی علوم کا بھی صحیح استعمال نہیں کرسکتا اور ان کے درست ہونے سے اس کی ساری عملی زندگی درست ہو جاتی ہے اور وہ دوسرے سائنسی علوم سے بھی پورا پورا فائدہ اٹھانے کے قابل ہو جاتا ہے اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صحیح تصور کائنات کے مطابق سائنسی علوم کا تعمیر کرنا یا بدلنا انسان کے لئے کس قدر ضروری ہے -

عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ کسی ایک یا دوسرے نظریہ کو ریاضیات یا طبعیات ایسے مستقن (exact) علوم کے اندر داخل کرنے سے ان علوم کے اندر کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوسکتی لیکن یہاں میں شہرۂ آفاق حکیم شپنگلر (Spengler) کی کتاب ''زوال مغرب،، ''The Decline of the West،، کا ایک حوالہ درج کرتا ہوں جس سے پتہ چل جائے گا کہ اس سلسلہ میں غیر جانب دارانہ محققین کی رائے کیا ہے :

> ''ہر علمی حقیقت خواہ وہ کیسی ہی سادہ ہو آغاز ہی سے اپنے دامن میں ایک نظریہ کو لئے ہوئے ہوتی ہے - وہ چیز جسے ہم ایک حقیقت کہتے ہیں ایک نادر الوقوع اثر ہے جو ایک بیدار شخصیت پر پڑتا ہے اور تمام باتوں کا انحصار اس بات پر ہے کہ آیا وہ شخصیت جس پر یہ اثر پڑ رہا ہے یا پڑ رہا تھا - کلاسیکی ہے یا مغربی، گاتھکی ہے یا بیرونی،،

ص : ۳۷۹

''ہر مستقن (exact) چیز بذات خود بے معنی ہوتی ہے - ہر طبعیاتی مشاہدہ اس طرح سے تشکیل پاتا ہے کہ وہ بعض سابقہ خیالی مفروضات کی بنیاد کو ثابت کرتا ہے اور اس کے کامیاب

اتمام کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ سابقہ مفروضات اور زیادہ قابل یقین ہو جاتے ہیں۔ ان مفروضات کے بغیر نتیجہ محض خالی خولی اعداد تک منحصر ہو کر رہ جاتا ہے لیکن درحقیقت ان مفروضات سے نہ تو ہم الگ ہوتے ہیں اور نہ ہی ہوسکتے ہیں اگر کوئی محقق کوشش کرکے اپنے تمام مفروضات کو جنہیں وہ جانتا ہے طے کرکے ایک طرف رکھدے تو خواہ وہ یہ سمجھے کہ اب اس کا کام بالکل صاف اور واضح ہوگیا ہے ۔ تاہم جوں ہی وہ اپنی تحقیق کا آغاز کرے گا ۔ مفروضات پر اس کا یہ تصرف نہ رہے گا کہ وہ ان کو الگ رکھ سکے بلکہ وہ خود ان مفروضات کے غیر شعوری تصرف میں چلا جائے گا کیونکہ تحقیق بہر حال ایک زندہ عمل ہے اور ہر زندہ عمل میں ایک انسان اپنی ثقافت، اپنے عصر، اپنے مدرسہ اور اپنی روایات کے تابع ہونے پر مجبور ہے ۔ ایمان اور علم دراصل باطنی ایقان ہی کے دو پہلو ہیں مگر ان دونوں میں، ایمان کو تقدم حاصل ہے اور علم کے تمام اعتبارات پر خواہ وہ کیسے ہی غیر واضح ہوں، اس کی بالادستی کا سکہ رواں ہوتا ہے ۔ لہذا یہ نظریات ہیں نہ کہ محض اعداد جو تمام طبعی علوم کی بنیاد بنتے ہیں ۔ ثقافتی انسان کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے اندر اس اصلی سائنس کی لاشعوری طلب کروٹیں لیتی رہتی ہے جو اس کی اپنی ثقافت کی روح کے مطابق ہو اور یہ طلب قدرت کے کسی عالمگیر تصور کو سمجھنے اور اس پر حاوی ہونے اور اس کو اپنی گرفت میں لینے کے کے لئے کارفرما ہوتی ہے ۔ دشوار اور محنت طلب پیمائشیں، جو محض پیمائشوں کی خاطر کی جائیں، چھوٹے ذہنوں کے لئے باعث اطمینان ہونے کے سوا اور کوئی اہمیت نہیں رکھتیں ۔

ہر تصور جو کسی حالت میں بھی دائرۂ امکان میں داخل ہوتا ہے اپنے موجد کی شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے ۔ یہ مقولہ کہ ''انسان نے خدا کو اپنے نمونہ پر بنایا ہے،، ہر تاریخی مذہب پر صادق آتا ہے لیکن ہر طبعیاتی علم کے لئے بھی کچھ کم صحیح نہیں خواہ اس علم کی نام نہاد واقعاتی یا تجرباتی اساس کتنی ہی محکم کیوں نہ ہو،، ۔

ص : ۳۸۱

''عالم کی عقلی تشکیل کی اس صورت کو (یعنی علم طبعیات کو) ایسی ہی دوسری صورتوں پر اولیت دینے کے لئے کوئی وجہ جواز نہیں ۔ ہر تنقیدی علم، ہر مذہبی یا غیر مذہبی عقیدہ کی طرح باطنی ایقان پر ہی قائم ہوتا ہے ۔ اگرچہ ہئیت اور مزاج کے اعتبار سے اس باطنی ایقان کے مظاہر لاتعداد ہوتے ہیں تا ہم وہ اپنے بنیادی اصول کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف نہیں ہوتے ۔ لہذا طبعی علوم کا مذہب کو ہدف ملامت بنانا ''بومرانگ،، ایسے ہتھیار کی طرح ہے جو پھینکنے والے ہی کی سمت میں لوٹ آتا ہے۔

ہر تہذیب خیالات و اعمال کا اپنا منفرد اور ذاتی ہیولی خود تیار کرتی ہے جو اس کے اپنے لئے امر حق ہوتا ہے اور اس وقت تک زندہ رہتا ہے جب تک کہ وہ تہذیب خود زندہ رہتی ہے اور اپنے امکانات کو آشکار کرتی رہتی ہے ۔ جب کوئی تہذیب اپنے خاتمہ کے قریب پہنچتی ہے ۔ اور اس کے تخلیقی قوے فنا ہو جاتے ہیں یعنی اس کی قوت تخیل اور فکر و زباں کی قوتیں مردہ ہو جاتی ہیں تو صرف بے روح ضابطے اور مردہ نظام ہائے فکر کے ڈھانچے باقی رہ جاتے ہیں جن کو دوسری تہذیب سے وابستہ افراد لفظاً تو پڑھ لیتے ہیں مگر ان کو تہی از معنی محسوس کرتے ہیں یا غیر اہم گردانتے ہیں ۔ پھر یا تو وہ ان کو میکانکی انداز میں محفوظ کر لیتے ہیں یا حقیر جان کر فراموش کر دیتے ہیں ۔ اعداد، ضوابط اور قوانین کا کچھ مطلب نہیں اور وہ کچھ نہیں ہوتے ۔ ان کے لئے ضروری ہے کہ ان کا کوئی جسد ہو اور صرف ایک ایسی زندہ جماعت ہی جو اپنی زندگی کو ان کے وجود کے اندر اور ان کے وجود کی معرفت وسعت دیتی ہو اور ان کے ذریعہ سے اپنا اظہار کرتی ہو اور اندر ہی اندر ان کو اپناتی ہو ان کو اس نعمت سے ہمکنار کر سکتی ہے ۔ یہی سبب ہے کہ کسی مطلق علم طبعیات کا وجود نہیں ہوتا بلکہ الگ الگ علوم طبعیات کا وجود ہوتا ہے ۔ جو اپنی مخصوص تہذیبوں کے گہواروں میں پروان چڑھتے اور مٹ جاتے ہیں،،۔

ص : ۳۸۲

''حسی وقوف میں صرف طول و عرض ہی موجود ہوتا ہے اور یہ

تعبیر کا زندہ اور ضروری عمل ہی ہے (اور یاد رہے کہ ہر زندہ چیز کی طرح یہ عمل اپنے اندر سمت، حرکت، اور رجعت ناپذیری کے وہ تمام اوصاف رکھتا ہے جن کو ہمارا شعور ''وقت،، کی اصطلاح میں جمع کردیتا ہے) جو ان کے اندر گہرائی پیدا کرتا ہے اور اس طرح ان کے تار و پود سے حقیقت اور نوعیت عالم کی تشکیل کرتا ہے۔ زندگی ہمارے تجربات میں، ایک تیسرے بعد کی حیثیت سے داخل ہوتی ہے *،،

دوم

سائنس کی درسی کتابوں کو نئے سرے سے لکھتے وقت دوسری بات جو ہمیں مدنظر رکھنی چاہئیے وہ یہ ہے کہ ہمارا مقصد یہ نہیں ہونا چاہئیے کہ ہم سائنسی علوم کو بدل کے اسلام کی اپنی مرغوب اور پسندیدہ تشریح کے مطابق کریں۔ مظاہر قدرت کے مشاہدہ اور مطالعہ سے بتکلف ایسے نتائج اخذ کریں جو اسلام کی اس تشریح کے مطابق درست ہوں جو ہم نے خود کر رکھی ہے۔ ایسا کرنے سے ہمیں ایک طرف سے اس بات کا اندیشہ ہے کہ ہم سائینسدان کی امتیازی خصوصیات یعنی مخلصانہ طلب صداقت اور دیانتدارانہ جستجوئے حقائق سے محروم ہو جائیں گے اور دوسری طرف سے اسلام کی اس توجیہ کو جو ہم نے خود کر رکھی ہے خواہ غلط ہی کیوں نہ ہو سائنس کے نام پر پیش کریں گے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم سائنس اور اسلام دونوں کو اپنی خواہشات کے مطابق بدل رہے ہونگے۔ ایسا کرنا ایک بہت بڑا علمی جرم ہوگا۔ جس کا پردہ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد خود بخود چاک ہو جائے گا ہمارا مقصد یہ ہونا چاہئیے کہ ہم کائنات میں خدا کی خالقیت اور ربوبیت اور تمام صفات جلال و جمال کی کارفرمائی کو ایک معلوم اور مسلم اور بنیادی سائنسی حقیقت کے طور پر سمجھیں اور مظاہر قدرت کا مشاہدہ اور مطالعہ اس کی روشنی میں کریں۔ پھر ہمارے نتائج جس طرف خود بخود چلتے ہیں، چلتے جائیں اور ہم ان کے پیچھے پیچھے چلیں۔ قرآن حکیم کے اندر ہمیں یہی ہدایت ملتی ہے۔ یتفکرون فی خلق السموات والارض کا مطلب یہ ہے کہ ہم آسمانوں اور زمین کے اندر خدا کی پیدا کی ہوئی چیزوں پر جیسی کہ وہ فی الواقع موجود ہیں۔ غور و فکر

* اوسوالڈ اشپنگلر: ''زوال مغرب،، جلد اول، باب ۱۱
انگریزی اشاعت ، ۱۹۴۴ء

کریں نہ یہ کہ ہم اپنی مرضی کے مطابق ان کی توجیہ کریں اور حضور کی اس دعا میں بھی یہی ارشاد مضمر ہے۔

اللھم ارنا الاشیاء کما ھی (ترجمہ) اے ہمارے رب ہمیں چیزوں کو اس طرح دکھا جس طرح وہ فی الواقع موجود ہیں۔

دونوں باتوں کا فرق

ایک نظریۂ حیات کے طور پر اسلام کی صداقت مسلم ہے۔ لیکن اسلام کی مختلف توجیہات کی جاسکتی ہیں اور کی جارہی ہیں اور یہ ممکن نہیں کہ اسلام کی ہر توجیہ صحیح ہو کیونکہ اسلام کی صحیح توجیہ صرف ایک ہی ہوسکتی ہے۔ اسے دریافت کرنا اور اسے اپنا راہ نما بنانا ہمارا فرض ہے۔ کسی علم کو جو اسلام کی کسی خاص توجیہ کے مطابق صحیح نہ ہو بدل کر اسلام کی اس توجیہ کے مطابق کرنا اور عقیدۂ توحید یعنی خدا کی خالقیت اور ربوبیت کے عقیدہ کی روشنی میں مظاہر قدرت کا بے لاگ اور دیانت دارانہ مطالعہ اور مشاہدہ کرنا دونوں باتوں میں بہت فرق ہے۔ پہلا کام اس عالم دین کا ہے جو اسلام کی اس خاص توجیہ کا حامی ہو جس کے مطابق وہ کسی علم کو بدلنا چاہتا ہے اور دوسرا کام ایک صحیح الخیال سائنسدان کا ہے۔ سائنسی علوم کی اسلامی یونیورسٹی کو پہلے کام سے نہیں، بلکہ دوسرے کام سے اپنے آپ کو متعلق کرنا پڑے گا۔ سائنسی علوم کی اسلامی یونیورسٹی کا مقصد فقط یہ ہوگا کہ عقیدۂ توحید کو جیسا کہ قرآن نے اس کی تشریح کی ہے سائنس کی بنیاد بنایا جائے اور اس کی روشنی میں سائنسی حقائق اور مشاہدات کے نتائج کو سمجھا اور سمجھایا جائے۔ یہ بالکل ممکن ہے کہ سائنسدان کی بے لاگ اور دیانتدارانہ سائنسی تحقیق اسے کسی وقت ایسے نتائج پر پہنچادے جو اسلام کی کسی خاص توجیہ کے ساتھ مطابقت نہ رکھتے ہوں۔ اس صورت میں سائنسدان کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ ہر حالت میں اپنی تحقیق کے نتائج کے ساتھ وابستہ رہے اور سائنسی نتائج کی دنیا سے باہر اسلام کی توجیہات کی دنیا میں علماء دین کے اختلافات سے الگ رہے۔ یہاں تک کہ اگر اس کے نتائج صحیح ہوں تو علماء دین اس کی روشنی میں اپنے اختلافات کو مٹا کر متحد ہوجائیں یا اگر اس کے اپنے نتائج درست نہ ہوں تو وہ مزید سائنسی تحقیق کی وشنی میں اپنے نتائج کو درست کرکے اتفاقاً اسلام کی کسی اور توجیہ کے اتھ متفق ہوجائے۔

سوئم ۔ سائنس کی سیدھی راہ سے انحراف کا علاج

تیسری بات جو ہمیں مدنظر رکھنی چاہئے وہ یہ ہے کہ سائنس کا راستہ فقط ایک ہی ہے اور وہ ایک سیدھی سڑک کی طرح ہے جس کی ہر اگلی منزل پچھلی منزل پر منحصر ہوتی ہے اگر سائنس کسی مقام پر غلط ہوکر اس راستہ سے ذرا ہٹ جائے تو پھر وہ ایک غلط راستہ اختیار کرتی ہے اور ہر روز اور زیادہ غلط ہوتی جاتی ہے اور اس کا راستہ سائنس کے اصلی راستہ سے ہر قدم پر اور دور ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ ایک مقام ایسا آ جاتا ہے جہاں سے آگے کوئی راستہ ہی نہیں ہوتا اور یہاں آکر غلط راستہ پر اس کی مزید ترقی رک جاتی ہے ۔ ایسی حالت میں اگر ہم چاہیں کہ سائنس پھر اپنے اصلی اور صحیح راستہ پر آجائے تو ہمیں اس کو پھر اسی مقام پر واپس لانا پڑیگا جہاں سے اس کا راستہ بدل گیا تھا اور اس غلط سائنسی حقیقت کو درست کرنا پڑے گا جسکی نا درستی کی وجہ سے اسکا راستہ ابتدا میں غلط ہوا تھا اور اس کی مزید غلطیاں ظہور پذیر ہوئی تھیں ۔ اس غلط سائنسی حقیقت کو درست کرنے کے بعد خود بخود اس کی ساری بعد کی غلطیوں کی اصلاح ہو جائے گی ۔ لہذا ہمیں سب سے پہلے یہ دیکھنا پڑے گا کہ عیسائی مغرب کے سائنسی علوم میں سے ہر ایک کس کس مقام پر غلط راہ سے چل نکلا ہے ۔ جہاں اسے پھر واپس لاکر صحیح راستہ پر ڈالنے کی ضرورت ہے ۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک ریل گاڑی جو ایک خاص منزل کی طرف جا رہی ہو، راستہ کے کسی اسٹیشن پر کانٹا غلط بدلنے سے کسی غلط لائن پر آ جائے اور پھر دور تک اسی پر نکل جائے ۔ اگر ہم چاہیں کہ اس کو پھر صحیح لائین پر لے آئیں تو ہم اس کو بعینہ اس مقام پر جہاں سے اس کا کانٹا غلط طور پر بدل دیا گیا تھا واپس لانے کے بعد ہی ایسا کرسکتے ہیں لیکن جب ہم ایک دفعہ اس کو صحیح راستہ پر ڈال دیں تو پھر وہ خود بخود صحیح راستہ پر چلتی جاتی ہے ۔

(ا) طبیعاتی علوم کی تشکیل جدید

طبعیاتی علوم (Physical sciences) میں نصابی کتب کو نئے سرے سے ترتیب دینے کے لئے ہمیں سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ عیسائی مغرب کی سائنس میں علم طبعیات کی تعریف ان الفاظ میں کی جاتی ہے :

''طبعیات مادہ کا علم ہے،،

Physics is the science of matter

لیکن اسلام کے نقطہ' نظر سے یہ تعریف غلط ہے کیونکہ اس کے اندر یہ خیال مضمر ہے کہ مادہ کوئی ایسی چیز ہے جو خود بخود موجود ہے اور جس کا علم ہمیں اس کو جاننے کی خاطر حاصل کرنا چاہئے حالانکہ یہ بات صحیح نہیں۔

یہ تعریف دھریت کے امکان کو تسلیم کرتی ہے اور اس کے لئے راستہ کھلا چھوڑتی ہے لیکن قرآن کی تعلیمات کے مطابق مادہ حتمی طور پر خدا کی خالقیت اور ربوبیت کی وجہ سے موجود ہے۔ وہ اپنا کوئی بالذات وجود نہیں رکھتا بلکہ اپنے خالق کی خالقیت اور ربوبیت کا ایک نشان (یا آیۃ اللہ) ہے لہذا اس کا جو علم ہوگا وہ پہلے اس کے خالق اور رب کا علم ہوگا اور بنیادی طور پر ہمیں اس کا علم حاصل کرنے کی ضرورت اس لئے ہوگی تا کہ ہم اس کے خالق کی خالقیت اور ربوبیت کو جانیں اور پہچانیں۔ لہذا قرآن کے فلسفہ' علم کے مطابق طبعیات کی صحیح تعریف یہ ہوگی:

> ''طبعیات خدا کے اس تخلیقی اور تربیتی عمل کی سائنس ہے جو مادی دنیا میں ظہور پذیر ہوا ہے،،
>
> "Physics is the Science of the creative activity of God as it manifests itself in that part of His creation which is the world of matter".

اگر طبعیات کی درسی کتاب لکھنے والا ماہر طبعیات اس تعریف کو مدنظر رکھے گا تو پھر وہ ہر طبعیاتی حقیقت کو خدا کی صفات خالقیت و ربوبیت کا مظہر سمجھے گا اور اس کو طالب علم کے سامنے اسی حیثیت سے پیش کرے گا۔ عیسائی سائنسدانوں کی تحقیقات کے مطابق مادہ کے وجود اور مادی دنیا کے ارتقا کا باعث برقی قوت ہے۔ برقی رو کے مثبت اور منفی قطبوں کی باھمی کشش ہر قدم پر مادی دنیاکی تعمیر اور ترقی کا سبب بنتی رہی یہاں تک کہ مادی دنیا اپنی موجودہ حالت تکمیل تک پہنچ گئی مادہ کے تمام قوانین برقی قوت کے عمل کی مختلف شکلیں ھیں۔ سب سے پہلے کسی نا معلوم قوت کے زیر اثر برقی روشنی کی کرنیں کائناتی شعاعوں کی صورت میں وقت اور فاصلہ کی ایک بسیط فضا میں پھیل گئیں۔ پھر ان کائناتی شعاعوں نے برقی لہروں کی چھوٹی

چھوٹی گٹھڑیوں کی صورت اختیار کرلی جنہیں الکٹران اور پروٹان کہا جاتا ہے پھر ان گٹھڑیوں کی باھمی کشش کی وجہ سے مختلف ترکیبوں کے یعنی مختلف عناصر کے جواھر (ایٹم) تیار ھوئے اور بعد کے طبعیاتی ارتقا کی ساری منزلیں طے ھوئیں۔ ان منزلوں کے طے ھونے کے بعد ھی مادہ کے اندر وہ اسرار و خواص پیدا ھوئے جن میں سے بعض کو آج ھم جانتے ھیں اور جن کی پوری تحقیق علم طبعیات کا موضوع ہے لیکن عیسائی مغرب کے ماھرین طبعیات یہ نہیں بتاتے کہ برقی قوت کہاں سے آئی تھی اور جن تخلیقی اور تربیتی خصوصیات کی وہ حامل ثابت ھوئی ہے وہ اس میں کہاں سے آگئی تھیں۔

بیسویں صدی کے بعض مقتدر ماھرین طبعیات ایک قدم آگے بڑھ کر اس نتیجہ پر پہنچتے ھیں کہ برقی توانائی بھی مادہ کی آخری حقیقت نہیں اور خود برقی توانائی کی حقیقت ایک شعوری یا ذھنی قوت ہے۔ چنانچہ اس نتیجہ کی وضاحت کرنے کے لئے، ایڈنگٹن اور جیمز جینز ایسے نامور ماھرین طبعیات نے کتابیں لکھی ھیں۔ لیکن یہ سائنسداں بھی ھمیں نہیں بتاتے کہ اس ذھن یا شعور کے اوصاف و خواص کیا ھیں جو ان کے نزدیک مادہ کی آخری حقیقت ثابت ھوا ہے۔ ایڈنگٹن اسے شعوری مواد (Mind-stuff) کہتا ہے گویا اسے شعور قرار دینے کے بعد پھر بھی مادہ سے الگ نہیں کرتا بلکہ ایک قسم کا مادہ ھی سمجھتا ہے اور جیمز جینز یہ کہہ کر بات ختم کر دیتا ہے کہ یہ شعور ایک ریاضیاتی ذھن (Mathematical Mind) ہے یعنی ریاضیات جانتا ہے۔

دراصل چونکہ عیسائی دنیا کے سائنسداں اس نامعقول عقیدہ یا تعصب سے آغاز کرتے ھیں کہ خدا کے عقیدہ کو سائنس سے الگ رھنا چاہئے وہ اپنے مشاھدات کی واضح دلالت کے باوجود اس نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتے کہ شعور جو حقیقت کائنات ثابت ھوتا ہے محض شعور ھی نہیں بلکہ ایک شخصیت ہے جو کائنات کی خالق اور رب ہے۔ اور شخصیت کی دوسری صفات کی مالک ہے۔ انسانوں کے مشاھدات کے مطابق ایسا شعور ایک شخصیت ھی کا خاصہ ہے اور ضروری ہے کہ وہ جہاں بھی ھو شخصیت کی صفات کا مالک ھو۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی سائنسداں اپنے تجربات اور مشاھدات سے اس نتیجہ پر تو پہنچ جائے کہ فلاں جگہ دھواں موجود ہے لیکن اس نتیجہ پر پہنچنے سے گریز کرے کہ وھاں آگ بھی ہے حالانکہ انسانوں کے مشاھدات کے مطابق دھواں کبھی آگ کے بغیر نہیں ھوتا۔ اور وہ گریز اس لئے کرے کہ اس نے یہ اصول پہلے ھی سے طے کرلیا ہے کہ وھاں آگ کو نہیں ھونا

چاھئے۔ مغربی سائنسدانوں کا یہ تعصب اس بات کا ثبوت ہے کہ سائنسدان جس تصور حقیقت سے اپنی سائنسی تحقیق کا آغاز کرتا ھے۔ آخر تک اس کے دائرہ سے باہر نہیں جاسکتا۔ اور یہ بات قرآن کے اس ارشاد کی صداقت کی بھی ایک دلیل ھے کہ جب آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود انسان صحیح نتائج پر نہ پہنچ سکے تو اس کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہوتی کہ تعصب نے دلوں کو اندھا کردیا ھے۔

فانہا لاتعمی الابصار ولاکن تعمی القلوب التی فی الصدور

قرآن کی تعلیم

اس کے بر عکس قرآن کی تعلیم یہ ھے کہ خدا نے کائنات اور کائنات کی ہر چیز کو اپنے حکم سے پیدا کیا ھے۔ وہی کائنات اور کائنات کی ہر چیز کا پرورش کنندہ اور کارساز ھے۔

اللہ خالق کل شی وھو علیٰ کل شی وکیل

(ترجمہ) خدا ہر چیز کا خالق ھے اور وہ ہر چیز کا کارساز بھی ھے

انما امرہ، اذا اراد شیئاً ان یقول لہ کن فیکون

(ترجمہ) بیشک اس کے حکم کی کیفیت یہ ھے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ھے تو اسے کہتا ھے، ہوجا، اور وہ ہو جاتی ھے۔

لہذا جب ہم عقیدۂ توحید کی روشنی میں موجودہ طبعیاتی علوم پر نظر ثانی کریں گے تو ھمیں ان تمام علوم کا بنیادی تصور یہ قرار دینا پڑے گا کہ بیسویں صدی کے ماھرین طبعیات مثلاً جیمز جینز اور ایڈنگٹن کا یہ خیال درست ھے کہ حقیقت کائنات ایک ریاضیاتی شعور ھے لیکن ریاضیاتی شعور شخصیت کے باقی اوصاف کے بغیر نہیں ہوسکتا لہذا وہ ریاضیاتی شعور خدا ھے جو کائنات کا خالق اور رب ھے اور حکیم و علیم ھے۔ برق قوت از خود موجود نہیں ہوئی تھی بلکہ خدا کے حکم سے اور قول کن سے پیدا ہوئی تھی۔ گویا خدا کے ارادۂ تخلیق کی قوت یا اس کے قول کن کی قوت نے ہی برق قوت کی صورت اختیار کی تھی۔ ادھر خدا نے قول کن کہا اور ادھر برق قوت کارفرما ہوگئی۔ اور برق قوت کی صفات بھی ایک عمل تخلیق میں سے گزری ھیں اور اس عمل

کے دوران میں اس کی ہر خاصیت بروقت ضرورت، ایک خاص مقصد کے ماتحت مادہ کی مکمل تدریجی تخلیق اور تربیت کے لئے خدا کے حکم سے وجود میں آئی تھی اور اس وقت سے لیکر مستقل طور پر اس میں موجود چلی آتی ہے۔ پھر الکترانوں اور پروتانوں کا مل کر مختلف عناصر کو ترتیب دینا اور مادہ کی دوسری خاصیتوں کا مادی ارتقا کے قدم قدم پر ایک ایک کرکے ظہور پانا خدا کے حکم سے ممکن ہوا ہے ورنہ مادہ کے اندر اس قسم کے ارتقا کی منزلیں خود بخود طے کرلینے کی کوئی صلاحیت موجود نہ تھی مثلاً آکسیجن (Oxygen) اور ہائیڈروجن (Hydrogen) میں کوئی ایسی خصوصیت نہیں تھی جس سے وہ مل کر پانی بنادیں اور پانی کے وجود میں آنے سے پہلے کوئی سائنسدان آکسیجن اور ہائیڈروجن کی خاصیات کا مشاہدہ اور مطالعہ کرکے یہ نتیجہ اخذ نہ کر سکتا تھا کہ ان کا ایک خاص نسبت سے کیمیاوی ترکیب پانا ممکن ہے اور ان کی ترکیب کا نتیجہ پانی ایسے ایک سیال کی صورت میں رونما ہوگا۔ ان کا مل کر پانی بن جانا خدا کے حکم سے ممکن ہوا ہے۔ ارتقائے ابداعی (Emergent Evolution) کا نظریہ قرآن کے اس نظریہ کے بہت قریب پہنچ جاتا ہے اگرچہ اس کے عیسائی قائلین اپنے مخصوص عیسائیت نواز فلسفۂ علم کی وجہ سے اس بات کا اعتراف نہیں کرتے کہ کائنات کے عمل ارتقا کے ہر قدم پر جو غیر متوقع لیکن معنی خیز تغیرات اس کو وجود میں لاتے رہے ہیں۔ اور لا رہے ہیں ان کا آخری سبب کسی قادر مطلق خدا کے ارادۂ تخلیق کی قوت ہے۔

حیاتیاتی علوم کی تشکیل جدید

اسی طرح سے حیاتیاتی علوم (Biological Sciences) میں درسی کتابوں پر نظر ثانی کرنے کے لئے ہمیں سب سے پہلے حیاتیات کی تعریف پر نظر ثانی کرنا چاہئے۔ مغربی عیسائی سائنسدانوں نے حیاتیات کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے :

''حیاتیات زندگی (یعنی زندہ اجسام) کی سائنس ہے''۔

Biology is the Science of life

لیکن طبعیات کی تعریف کی طرح ان کی یہ تعریف بھی غلط ہے کیونکہ اس میں بھی اس بات کو نظر انداز کیا گیا ہے کہ زندگی خود بخود موجود نہیں بلکہ خدا نے پیدا کی ہے اور خدا کی خالقیت اور ربوبیت کا ایک مظہر ہے۔ لہذا حیاتیات کی صحیح تعریف اس طرح سے کی جائے گی۔

''حیاتیات خدا کے اس تخلیقی اور تربیتی عمل کی سائنس ہے جو خدا کی تخلیق کے اس حصہ میں جسے ہم جاندار اجسام کی دنیا کہتے ہیں ظہور پذیر ہوا ہے۔''

''Biology is the Science of the creative activity of God as it manifests itself in the world of life.''

حیاتیاتی علوم کے دائرہ میں عیسائی مغرب کے سائنسدانوں کی تحقیق یہ ہے کہ جب مادہ اپنے ارتقا کی انتہا کو پہنچ گیا تو بعض نامعلوم اسباب کے ماتحت سمندروں کے کناروں پر کسی جگہ کیچڑ میں ایک زندہ خلیہ نمودار ہوئی جسے اب امیبا کہا جاتا ہے۔ یہ خلیہ خود بخود خوراک حاصل کرنے اور زندہ رہنے کے لئے جدوجہد کرنے لگی لہذا زندہ رہی اور اس کی نسل ترقی کرتی رہی۔ اس کی نسل کے افراد کی جسمانی ساخت میں بغیر کسی وجہ کے قدرتی طور پر ہر قسم کی تبدیلیاں ہوتی رہیں جن کے جمع ہو جانے سے بعض نئی قسم کے جاندار ظہور میں آتے رہے۔ وہ جاندار جن کی جسمانی تبدیلیاں ایسی تھیں کہ وہ ان کو اتفاقاً کشمکش حیات کے لئے موزوں بناتی تھیں زندہ رہے اور باقی کشمکش حیات کے اس امتحان میں ناکام ہوکر موت کے گھاٹ اتر گئے۔ گویا کشمکش حیات کی ضرورت کی وجہ سے قدرت خود بخود بقائے اصلح کی وجہ سے زندہ رہنے کے قابل جانداروں کا انتخاب کرتی رہی۔ یہ کشمکش حیات اور بقائے اصلح اور قدرتی انتخاب کے بے مقصد اور بے پرواہ اصولوں کی کارفرمائی تھی۔ اس طرح سے جو نئی نئی انواع حیوانات وجود میں آتی رہیں ان میں سے ایک انسان ہے۔ جو قدرت کی محولہ بالا اندھا دھند قوتوں کے عمل سے اتفاقاً پیدا ہوگیا ہے۔ ان سائنسدانوں کا خیال ہے کہ نوع انسانی اتفاقاً جن حیاتیاتی تغیرات میں سے گذری ہے چونکہ وہ اس کی حیاتیاتی تعمیر کے اندر راسخ ہوگئے ہیں لہذا انسانی جنین ماں کے رحم کے اندر ان کا اعادہ کرتا ہے۔ چونکہ یہ نظریہ جو انیسویں صدی میں پیش کیا گیا تھا عیسائیت کے لادینی فلسفۂ علم کے عین مطابق تھا۔ اس لئے اسے اپنے زمانہ میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی اور یہ نظریہ اب تک بھی جولین ہکسلے (Julian Huxley) ایسے نامور ماہرین حیاتیات کے نزدیک حیاتیاتی ارتقا کا معیاری نظریہ ہے لیکن چونکہ یہ نظریہ مشاہدہ میں آنے والے بعض قدرتی حالات اور واقعات کے خلاف تھا لہذا بعض عیسائی سائنسدانوں نے ہی جن میں برگساں (Bergson) اور ڈریش (Driesch) زیادہ مشہور ہیں اسکی تردید کی اور اس کے بالمقابل اور نظریات پیش کئے جن میں قدر مشترک یہ ہے کہ خود جاندار کے جسم

کے اندر ایک باشعور تخلیقی قوت کارفرما ہے جسے قوت حیات کہنا چاہئے۔ ڈریش نے بالخصوص جانداروں کے جنین پر تجربات کرکے یہ دریافت کیا کہ یہ قوت حیات مزاحمتوں کے باوجود اپنی طے کی ہوئی سمت میں جاندار کی نشو و نما کرتی ہے۔ لہذا اپنے مقصد کو جانتی ہے اور اس کے حصول پر قدرت رکھتی ہے اور اس کا مقصد جاندار کی تربیت اور جسمانی نشو و نما کرنا ہے جس میں اس کی صحت اور تندرستی کو قائم رکھنا بھی شامل ہے۔ ماں کے رحم کے اندر انسانی جنین کے بامقصد اور بامعنی تغیرات اسی قوت کی کارفرمائی کا نتیجہ ہیں۔ یہی قوت جاندار کی جسمانی ساخت کو بہتر بنا کر اسے ایک اور زیادہ ترقی یافتہ جاندار کی صورت میں بدلنے کا موجب ہوتی ہے۔ اسی قوت کے عمل کی وجہ سے ہی انواع حیوانات میں وہ حیاتیاتی ارتقا ہوتا رہا ہے جس کا منتہائے کمال انسان کا ظہور ہے برگسان اور ڈریش نے اپنے ان نتائج سے جو آخری نتیجہ نکالا ہے وہ یہ ہے کہ یہی باشعور قوت حیات، حقیقت کائنات ہے۔ لیکن ان کے نتائج یہیں ختم ہو جاتے ہیں۔ ماہرین حیاتیات بھی اس نتیجہ پر پہنچنے کے بعد کہ حقیقت کائنات شعور ہے یہ کہنے سے گریز کرتے ہیں کہ یہ شعور ایک شخصیت ہے جو قادر مطلق ہے اور کائنات کی خالق اور رب ہے اور اس کی وجہ پھر عیسائی مغرب کا وہی غیر سائنسی عقیدہ ہے کہ سائنس کو خدا کے عقیدہ سے الگ رہنا چاہئے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں مغرب کا علم حیاتیات اپنے صحیح راستہ سے ہٹ گیا ہے اور اس سے اسکا ہٹ جانا نفسیاتی اور انسانی علوم کی ترقی کے لئے ایک بہت بڑی رکاوٹ کا موجب ہوا ہے۔ ان نظریات کے بالمقابل قرآن کا نظریہ یہ ہے کہ وہ قوت حیات جو حیاتیاتی ارتقا کا باعث ہے جو جاندار کے جسم کے اندر اس کی تخلیق و تربیت کے لئے کارفرما ہے اور جو رحم مادر کے اندر انسانی جنین کے بامقصد اور بامعنی تغیرات کا باعث ہے خدا کے ارادۂ تخلیق و تربیت کی قوت ہے۔

ثم جعلنه نطفة فی قرار مکین. ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة فخلقنا مضغة عظاماً فکسونا العظام لحما. ثم انشانه خلقاً آخر فتبرک اللہ احسن الخالقین.

(ترجمہ) پھر ہم نے اسے نطفہ بنایا ایک ٹھہر جانے اور جماؤ پانے کی جگہ میں۔ پھر نطفہ کو ہم نے علقہ بنایا پھر علقہ کو ایک گوشت کا ٹکڑا سا کردیا پھر اس میں ہڈیوں کا ڈھانچہ پیدا کیا۔ پھر ڈھانچے پر گوشت

کی تہ چڑھا دی - پھر دیکھو
اسے کس طرح ایک دوسری ہی
طرح کی مخلوق بنا کر نمودار
کردیا - تو کیا ہی برکتوں والی
ہستی ہے اللہ کی۔ پیدا کرنے والوں
میں سب سے بہتر پیدا کرنے والا -

فاذا مرضت فهو یشفین .

(ترجمہ) جب میں بیمار ہوتا ہوں
تو وہ خدا مجھے شفا بخشتا ہے -

ظاہر ہے کہ قرآن کے نقطہ نظر کے مطابق سبب ارتقا کا پہلا نظریہ جسے ڈارون اور اس کے ہم خیالوں کی حمایت حاصل ہے قطعی طور پر غلط ہے لیکن برگسان (Bergson) اور ڈریش (Driesch) کے نظریات قرآن کے نظریہ سے زیادہ قریب ہیں - قرآن کے اس نظریہ کے مطابق جب ہم حیاتیاتی علوم میں درسی کتابوں کی تشکیل کریں گے تو ہمیں ان علوم کا بنیادی تصور یہ قرار دینا پڑے گا کہ برگسان اور ڈریش ایسے ماہرین حیاتیات کا یہ خیال درست ہے کہ جاندار کے جسم کے اندر ایک باشعور اور بامقصد قوت حیات کارفرما ہے جو ایک خاص طے شدہ شکل و صورت اور مقصد اور مدعا کے مطابق جاندار کی نشو و نما کرتی ہے - اس قوت کا عمل اگرچہ جاندار کی نشو و نما کے لئے ظہور پاتا ہے - تاہم وہ جاندار کے اپنے اختیار اور ارادہ سے باہر ہوتا ہے جس سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ یہ قوت کوئی مادی یا حیاتیاتی قوت نہیں جو اتفاقاً جاندار کے جسم کے اندر پیدا ہوگئی ہے بلکہ ایک قادر مطلق رحیم و کریم، خالق اور رب خدا کے ارادۂ تخلیق و تربیت کی قوت ہے جو محض اس کے قول کن سے کارفرما ہوگئی ہے - یہی قوت مادی مرحلہ ارتقا میں برقی قوت کی صورت میں اپنا کام کر رہی تھی اور یہی قوت حیاتیاتی عمل ارتقاء کو لاکھوں برس تک ایک خاص سمت میں متواتر آگے دھکیلتی رہی یہاں تک کہ جسم انسانی ظہور پذیر ہوا - حیاتیات میں اس تصور کے داخل کرنے سے علم حیاتیات پھر اپنی ترقی کے صحیح راستہ پر آ جاتا ہے اور انسانی اور نفسیاتی علوم کی صحیح راہ نمائی کا ذریعہ بن جاتا ہے -

نفسیاتی علوم کی تشکیل جدید

نفسیاتی اور انسانی علوم کے دائرہ میں خدا اور سائنس کی بے تعلقی کے نظریہ پر

اصرار کرنے والے مغربی سائنسدانوں کی پراگندہ خیالی اس سے کہیں زیادہ ہے جو ہمیں ان کے حیاتیاتی علوم میں نظر آتی ہے۔

ان میں سے ایک گروہ تو ان لوگوں کا ہے جو سرے سے انکار کرتے ہیں کہ ہمیں یہ فرض کرنے کی ضرورت ہے کہ انسانی اعمال و افعال کا سرچشمہ کوئی ایسی چیز ہے جسے نفس انسانی (Human mind) کہا جاتا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ انسان فقط کسی بیرونی محرک (Stimulus) سے متاثر ہو کر اور اس کے جواب (Response) میں کسی کردار (Behaviour) کا اظہار کرتا ہے۔ انسان کا نفس یا ذہن ہمیں نظر نہیں آتا اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ در حقیقت موجود ہے لیکن ہم انسان کے کردار کو دیکھ سکتے ہیں اور سمجھ سکتے ہیں۔ یہ واٹسن (Watson) اور اس کے شاگرد ہیں جو کرداریت (Behaviourism) کے حامی ہیں۔ ان لوگوں کے نزدیک نفسیات کی تعریف یہ ہے:-

''نفسیات کردار کا علم ہے،،

"Psychology is the Science of behaviour."

دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو نفس انسانی کے وجود کے قائل تو ہیں اور نفسیات کی تعریف اس طرح سے کرتے ہیں:

''نفسیات، نفس انسانی کا علم ہے،،

"Psychology is the Science of mind."

لیکن نفس انسانی کے بلند ترین وظائف کو جو انسان کے ساتھ مخصوص ہیں انسان کی حیوانی فطرت کے بعض تقاضوں کی پیداوار اور انہی کا خدمتگزار سمجھتے ہیں۔ یہ دوسرا گروہ فطرت انسانی کے بارہ میں جن حقائق پر اب تک متفق ہوسکا ہے وہ یہ ہیں:

(۱) انسان کی بعض خواہشات ایسی ہیں، جو حیوان اور انسان دونوں میں مشترک ہیں اور وہ انسان کی حیوانی جبلتیں ہیں۔ جن کا مقصد یہ ہے کہ حیوان یا انسان ان کی تشفی کرکے اپنے آپ کو اور اپنی نسل کو قائم رکھ سکے۔

(۲) انسان کی بعض خواہشات ایسی ہیں جو انسان سے خاص ہیں اور جن میں حیوان اس کے ساتھ شریک نہیں۔ ان سب خواہشات کا

مقصد کسی نہ کسی صورت میں حسن کی طلب ہے اور ان میں سب سے بڑی اور مرکزی خواہش کسی ایسے تصور کی محبت یا جستجو کی خواہش ہے جس کی طرف انسان حسن کے بعض اوصاف منسوب کرتا ہو۔ اس قسم کے تصور حسن کو نظریہ یا نصب العین (ideal) بھی کہا جاتا ہے۔

(۳) انسان کی فطرتی خواہشات میں سے ایک خواہش ایسی ہے جو اس کی تمام خواہشات پر جن میں اس کی حیوانی جبلتیں بھی شامل ہیں، حکمران ہے اور اس کے سارے اعمال و افعال کو اپنے ماتحت منظم کرتی ہے۔ گویا ایسی خواہش انسانی افعال کی قوت محرکہ ہے۔ یہی سبب ہے کہ انسان کے سارے اعمال و افعال کے اندر ایک وحدت ہے جس کی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ ہر فرد انسانی ایک شخصیت یا انفرادیت رکھتا ہے۔

لیکن اگر انسان کی کوئی خواہش ایسی ہے جو اس کے سارے اعمال و افعال کی قوت محرکہ اور منظمہ ہے تو ضروری ہے کہ انسان کے تمام انفرادی اور اجتماعی مشاغل خواہ وہ اخلاقی ہوں یا سیاسی، یا اقتصادی، یا قانونی، یا تعلیمی یا علمی، یا فنی۔ اسی کے مظاہر ہوں اور تمام انسانی علوم یعنی فلسفۂ سیاست، فلسفۂ اقتصادیات، فلسفۂ اخلاق، فلسفۂ قانون، فلسفۂ تعلیم، فلسفۂ علم اور فلسفۂ فن وغیرہ اسی پر مبنی ہوں اور اس کی ماہیت اور حقیقت کے مختلف پہلوؤں کے فلسفے ہوں اور اسی کے وظائف کے تشریحی اور تفصیلی علوم ہوں۔ انسان کی یہ خواہش گویا تمام انسانی علوم کے لئے کلید کا درجہ رکھتی ہے۔

یہ خواہش جسقدر اہم ہے اسی قدر اس دوسرے گروہ سے تعلق رکھنے والے عیسائی مغرب کے سائنسداں اس کی نوعیت اور حقیقت کے متعلق کوئی یقینی یا قطعی رائے قائم کرنے سے قاصر ہیں۔ انہوں نے اس کے متعلق جتنے نظریات قائم کئے ہیں ان میں سے کوئی بھی ایسا مدلل اور منظم نہیں کہ انسانی فعلیتوں میں سے کسی فعلیت کے فلسفہ کی بنیاد اس پر رکھی جاسکے۔ چنانچہ مغربی فلسفیوں میں سے (سوائے کارل مارکس کے جس کا فلسفہ محرک اعمال انسانی فطرت انسانی کے حقائق سے مطابقت نہیں رکھتا اور لہذا درست نہیں ہوسکتا) کوئی بھی ایسا نہیں جس نے اپنے فلسفۂ سیاست یا فلسفۂ اخلاق یا فلسفۂ اقتصادیات یا فلسفۂ قانون یا فلسفۂ تعلیم یا فلسفۂ علم یا فلسفۂ جمالیات یا فلسفۂ تاریخ کی بنیاد انسانی اعمال کی قوت محرکہ کے کسی واضح فلسفہ پر رکھی ہو۔ ان

میں سے ایک فریق کا خیال یہ ہے کہ انسانی اعمال کی قوت محرکہ جبلت جنس ہے اور نظریات یا نصب العین جبلت جنس سے پیدا ہوتے ہیں اور اسی کے خدمتگزار ہیں ۔ جب انسان کی جبلتی خواہشات اپنا صحیح اظہار نہیں پاسکتیں تو وہ بگڑ کر کسی نظریہ کی صورت اختیار کرلیتی ہیں تاکہ انسان ان سے ایک قائم مقام تسلی حاصل کرسکے ۔ یہ فرائڈ اور اس کے شاگرد ہیں ۔ دوسرا فریق یہ سمجھتا ہے کہ انسان کے اعمال کی قوت محرکہ، جبلت تفوق یا جبلت استیلاء ہے اور نظریات جبلت استیلاء سے پیدا ہوتے ہیں ۔ جب انسان کی حب تفوق مطمئن نہیں ہوسکتی تو انسان کوئی ایسا بلند قسم کا خیالی نظریہ پیدا کر لیتا ہے جو اس کی مسدود خواہش تفوق کی تشفی کرسکے اور پھر اسکی جستجو کرنے لگتا ہے ۔ یہ ایڈلر اور اس کے شاگردوں کا گروہ ہے ۔ ایک اور فریق یہ سمجھتا ہے کہ انسان کے اعمال کا سرچشمہ تمام جبلتوں کا مجموعہ ہے اور نظریات جبلتوں کے ایک نفسیاتی مرکب سے جسے وہ جذبۂ ذات اندیشی (Sentiment of self - regard) کہتے ہیں ۔ پیدا ہوتے ہیں اور پھر جبلت تفوق اس مرکب کو اکساتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کسی نظریہ کے مطابق عمل کرنے لگتا ہے یہ خیال میکڈو گل اور اس کے ہم نواؤں کا ہے ایک اور فریق یہ سمجھتا ہے کہ انسانی اعمال کی قوت محرکہ، جبلت تغذیہ یا ضرورت خوراک ہے جس میں وہ موسم کے مطابق لباس اور اقامتی مکان بھی شامل کرتے ہیں ۔ ان کا خیال یہ ہے کہ جب انسانی زندگی کی یہ بنیادی ضرورتیں ٹھیک طرح سے پوری نہیں ہوتیں تو وہ فرض کر لیتا ہے کہ اس کو ان چیزوں کی نہیں بلکہ کسی نظریہ یا نصب العین کی ضرورت ہے ۔ لہذا وہ کوئی مناسب خیالی نظریہ پیدا کر لیتا ہے جس کے تتبع کے پردہ میں وہ درحقیقت اپنی اقتصادی ضرورتوں کی تشفی کا سامان پیدا کرنا چاہتا ہے ۔ دراصل اس کا نظریہ اس کی اقتصادی ضرورتوں کی ایک بگڑی ہوئی شکل ہوتا ہے ۔ یہ کارل مارکس اور اس کے شاگردوں کا نظریہ ہے ۔

ان نظریات میں سے ہر نظریہ کے اندر عقلی اور علمی نقطۂ نظر سے بہت سی کمزوریاں اور خامیاں ہیں جن کی وجہ سے ہر نظریہ نا تسلی بخش ہے ۔ ان تمام نظریات میں قدر مشترک یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کسی ایک حیوانی جبلت کو یا تمام حیوانی جبلتوں کو انسان کے اعمال کا محرک قرار دیتا ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے موجد فلسفیوں کے ذہن خدا اور سائنس کے افتراق کی فضا میں نشو و نما پائے ہوئے ہیں ۔ ڈارون کے نظریہ کے زیر اثر ان کا خیال یہ ہے کہ سب سے پہلے مادہ تھا ۔ مادہ سے پہلے کچھ نہیں تھا ۔ اور کسی

قادر مطلق خدا کا ارادۂ تخلیق مادہ کے ظہور کا سبب نہ تھا۔ مادہ کے بعد حیوان وجود میں آیا اور حیوان سے انسان پیدا ہوا۔ لہذا اگر انسان میں کوئی ایسی خواہش ہے جو حیوان میں نہیں تھی مثلاً یہی نظریہ یا نصب العین کی محبت تو وہ لامحالہ حیوان کی بعض خواہشات سے جن کو جبلتیں کہا جاتا ہے۔ پیدا ہوسکتی ہے ورنہ اس کا وجود ممکن نہیں لہذا یہ جبلتیں ہی ہیں جن میں سے کوئی ایک یا جن کا مجموعہ آخرکار انسان کے اعمال کی قوت محرکہ ہے۔

اس کے برعکس قرآن حکیم کی تعلیم یہ ہے کہ انسان کے سارے اعمال و افعال کی قوت محرکہ خدا کی محبت ہے جو کائنات کا خالق اور رب ہے۔ خدا کی محبت خدا کی ستائش اور عبادت اور اطاعت کا تقاضا کرتی ہے اور یہ وہ اعمال ہیں جن کو دین کہا جاتا ہے۔ اس دین پر یکسوئی سے قائم رہنا یعنی ان تمام خواہشات کو جو اس سے ہٹانے والی ہوں ترک کرنا اور اپنے تمام اعمال کو اس کے تابع رکھنا اور اسی کو اپنے سارے اعمال کا محرک بنانا۔ نوع انسانی کی فطرت ہے جو مستقل اور محکم ہے اور تبدیل نہیں ہوسکتی۔ اور چونکہ یہ دین انسانی فطرت کی پختہ اور محکم بنیادوں پر قائم ہے لہذا پختہ اور محکم ہے۔

اقم وجهك للدين حنيفاً فطرة الله التى فطرالناس عليها لا تبديل لخلق الله ذالك الدين القيم .

(ترجمہ) اے پیغمبر دین پر یکسوئی سے قائم رہئے یہ خدا کی پیدا کی ہوئی وہ فطرت ہے جس پر خدا نے انسانوں کو پیدا کیا ہے خدا کی تخلیق میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ یہی دین محکم ہے۔

خدا نے انسان کو سوائے عبادت کے کسی اور کام کے لئے پیدا ہی نہیں کیا۔ خدا کی عبادت کا جذبہ اس کی فطرت میں رکھ دیا گیا ہے اور عبادت یہ ہے کہ انسان کسی کام کو خدا کی محبت اور رضامندی کے لئے کرے۔ گویا اگر انسان اپنی فطرت کا پابند رہے تو خدا کی محبت کے سوائے اس کے اعمال کا کوئی اور محرک نہیں ہوسکتا۔

ما خلقت الجن والانس الا ليعبدون

(ترجمہ) میں نے جنوں اور انسانوں کو سوائے عبادت کے اور کسی غرض کے لئے پیدا نہیں کیا۔

حضورؐ کو یہ حکم ہوا کہ کہہ دیجئے کہ میری نماز اور قربانی ہی نہیں بلکہ میرا جینا اور مرنا ہر چیز خدا کی عبادت کے لئے وقف ہے۔

اور اس میں خدا کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کرنا یعنی اپنی زندگی کے بعض اعمال کو خدا کے لئے وقف کرنا اور بعض کو غیر اللہ کے لئے وقف کرنا جس میں میری ذات بھی شامل ہے ممکن نہیں مجھے یہی حکم دیا گیا ہے اور میں اس کے حکم کے سامنے سب سے پہلے سرجھکاتا ہوں۔

قل ان صلاتی و نسکی و محییای و مماتی للہ رب العلمین لاشریک لہ وبذالک امرت وانا اول المسلمین

(ترجمہ) اے پیغمبر کہہ دیجئے کہ میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور موت سب اللہ کے لئے ہیں جو اہل جہان کا پروردگار ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے یہی حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔

ان آیات مبارکہ کا مطلب سوائے اس کے اور کیا ہے کہ اگر انسان کے تمام اعمال و اشغال خدا کی محبت کے لئے سرزد ہوں تو یہ اس کی فطرت کا عین تقاضا ہوگا۔

قرآن حکیم نے انسان کی جبلتی خواہشات اور نصب العینی یا نظریاتی خواہشات کے باہمی تعلق کی وضاحت کردی ہے۔ انسان کی جبلتی حیوانی قسم کی خواہشات کو قرآن کی اصطلاح میں ہوا کہا گیا ہے۔ جب انسان خدا کی محبت کو چھوڑ کر اپنی کسی جبلتی خواہش کو اپنے اعمال کا محرک بناتا ہے تو وہ اپنی اس خواہش کو خدا کا مقام دیتا ہے کیونکہ انسان کی فطرت کی رو سے خدا کی محبت ہی کو یہ مقام حاصل ہے کہ وہ انسان کے اعمال کا محرک بنے۔

افرایت من اتخذ الٰھہ ھواہ

(ترجمہ) اے پیغمبر کیا آپ نے اس شخص کو بھی دیکھا جس نے اپنی جبلتی خواہشات کو اپنا خدا بنالیا ہے۔

انسان کا جو عمل خدا کی محبت کے لئے سرزد ہو وہ عمل صالح ہے اور جو اس کی جبلتی یا حیوانی خواہشات کے ماتحت اور ان ہی کی اعانت یا خدمت کے لئے سرزد ہو وہ غیر صالح ہے۔ انسان کی فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے سارے اعمال صالح ہوں اور اس کا کوئی ایک عمل بھی غیر صالح نہ ہو یعنی اس کے سارے اعمال خدا کی محبت کے سرچشمہ سے نکلیں اور خدا کی محبت ہی ان کا محرک بنے۔ عمل صالح کو عمل غیر صالح سے مخلوط کرنا انسان کی فطرت نہیں اگر کوئی ایسا کرے گا تو اپنے گناہوں کا اعتراف کرنے اور توبہ کرنے سے وہ نجات تو پا جائے گا لیکن خدا کے مقربین میں داخل نہیں کیا جائے گا۔

واخرین اعترفوا بذنوبہم خلطوا عملاً صالحاً — (ترجمہ) اور دوسرا گروہ جنہوں نے گناہوں کا اعتراف کرلیا اور عمل صالح کو عمل غیر صالح سے خلط ملط کردیا۔

مومن خدا کی محبت کے تقاضوں پر سختی سے کاربند رہتا ہے اور اپنے کسی عمل کو ان تقاضوں کے خلاف سرزد نہیں ہونے دیتا۔

والذین امنوا اشد حباللہ — (ترجمہ) وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں خدا سے شدید محبت رکھتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ جن لوگوں کا عمل خدا کی محبت کے تقاضوں کے مطابق سرزد نہیں ہوتا اس لئے کہ وہ خدا کو مانتے نہیں یا کسی اور سبب سے تو قرآن کی رو سے ان کا فطرتی محرک عمل کیوں کام نہیں کرتا۔ قرآن حکیم اس سوال کا جواب یہ دیتا ہے کہ ان کا فطرتی محرک عمل برابر اپنا کام کر رہا ہوتا ہے لیکن وہ اللہ کو نہ جاننے یا کم جاننے کی وجہ سے اللہ کی صفات حسن و کمال کسی غیر اللہ کے وجود کے تصور کو سونپ کر اسی کو اپنا خدا بنا لیتے ہیں۔ پھر اسی کی محبت ان کے اعمال کا محرک بن جاتی ہے اور ان کی باقی تمام خواہشات کو اپنے ماتحت کرلیتی ہے بالکل اسی طرح جیسے کہ خدا کی محبت مومن کے اعمال کا محرک ہوتی ہے اور مومن کی باقی خواہشات کو اپنے ماتحت کر لیتی ہے۔

واتخذوا من دون اللہ انداداً — (ترجمہ) اور انہوں نے خدا کو

یحبونھم کحب اللہ

چھوڑ کر بعض معبود بنالئے ھیں
جن سے وہ ایسی محبت کرتے ھیں
جو فقط خدا کے لائق ھے۔

لیکن قرآن کا ارشاد یہ ھے کہ اس صورت میں کچھ عرصہ کے بعد اسے معلوم ہو جاتا ھے کہ اس کا تصور حسن درحقیقت ناقص ھے اور اپنے نقائص کی وجہ سے اس کے جذبہ حسن کو مطمئن نہیں کرسکتا اور اس کی محبت کی پیاس کو نہیں بجھا سکتا۔ ناقص اور غلط تصور حسن یا ناقص اور غلط معبود ایک سراب کی طرح ھے۔ جس کے پاس ایک پیاسا اپنی پیاس بجھانے کے لئے آتا ھے لیکن جب وہ اس کے پاس پہنچ جاتا ھے تو وھاں کچھ بھی نہیں پاتا۔

کسراب بقیعة یحسبه الظمان ماء
فاذا جاءہ لم یجدہ شیئاً

(ترجمہ) جنگل کے ایک سراب کی
طرح کہ پیاسا اسے پانی سمجھتا
ھے لیکن جب اس کے پاس آتا
ھے تو کچھ نہیں پاتا۔

اس کا چاھنے والا ایسے شخص کی طرح ھے جو کوئیں کے پانی کیطرف پانی کیلئے ھاتھ پھیلاتا ھے لیکن محض ھاتھ پھیلانے سے پانی اسے کہاں مل سکتا ھے۔

الا کباسط کفیه الی الماء لیبلغ
فاہ وما ھو ببالغه

(ترجمہ) اس شخص کی طرح جو
پانی کی طرف ھاتھ پھیلاتا ھے
کہ وہ اس کے منہ تک پہنچ
جائے لیکن وہ اس کے منہ تک
پہنچنے والا نہیں۔

لہذا وہ اسے ترک کرکے کسی اور تصور کو اپنا معبود بناتا ھے۔ گویا ناقص تصور، ناقص ھی نہیں ھوتا بلکہ ناپائیدار بھی ھوتا ھے۔

مثل کلمة خبیثة کشجرة خبیثة
اجتثت من فوق الارض مالھا من
قرار

(ترجمہ) ایک ناپاک تصور کی
مثال ایک ناپاک درخت کی طرح
ھے جو زمین سے اکھاڑ پھینکا
جاتا ھے اور اسے پائیداری نصیب
نہیں ھوتی۔

مثل الذین اتخذوا من دونه اولیاء کمثل العنکبوت اتخذت بیتاً ان اوھن البیوت لبیت العنکبوت .

(ترجمہ) وہ لوگ جنہوں نے خدا کو چھوڑ کر اوروں کو دوست بنایا ھے ان کی مثال مکڑی کی طرح ھے جو گھر بناتی ھے ۔ بیشک تمام گھروں میں سب سے زیادہ کمزور گھر مکڑی کا ھی ھوتا ھے

اس کے بالمقابل خدا کا تصور پختہ اور پائیدار ھوتا ھے ۔

ومن یکفر بالطاغوت ویومن باللہ فقداستمسک بالعروۃ الوثقی لاانفصام لھا ۔

(ترجمہ) اور جو شخص بتوں سے کفر کرتا ھے اور خدا پر ایمان لاتا ھے بیشک وہ ایک ایسے مضبوط حلقہ کو تھام لیتا ھے جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتا ۔

گویا قرآن حکیم کے نزدیک تصورات حسن یا نظریات کی محبت جس کی وجہ سے انسان تمام حیوانات پر فوقیت رکھتا ھے ۔ خود وہ قوت ھے جو انسان کے سارے اعمال کو حرکت میں لاتی ھے اور یہ قوت نہ تو جبلت جنس کی پیداوار اور خدمتگزار ھے اور نہ ھی جبلت تفوق کی نہ جبلت تغذیہ کی اور نہ ھی جبلتوں کے کسی مجموعہ کی بلکہ وہ انسان کی فطرت کا ایک مستقل تقاضا ھے جو جبلتوں پر بھی حکمرانی کرتا ھے ۔ باقی رھا یہ سوال کہ اگر یہ قوت جبلتوں سے پیدا نہیں ھوئی تو کہاں سے آئی ھے ۔ سو اس کا جواب یہ ھے کہ حیاتیاتی سطح ارتقا پر قوت حیات کہاں سے آئی تھی اور طبعیاتی سطح وجود پر برق قوت کہاں سے نمودار ھوئی تھی قرآن مجید کی محولہ بالا آیات کے مطابق اس قوت کو اسی خالق کائنات نے پیدا کیا ھے جس نے حیاتیاتی سطح ارتقا پر قوت حیات کو پیدا کیا تھا تا کہ حیوانات کی نشو و نما اور ارتقا کا باعث بنے اور جس نے مادی سطح ارتقا پر برق قوت کو پیدا کیا تھا تا کہ عناصر کی نشو و نما اور ارتقا کا باعث بنے ۔ اور اللہ تعالی نے انسانی سطح ارتقا پر حب تصور کی اس قوت کو اس لئے پیدا کیا ھے تا کہ وہ انسانی سطح ارتقا پر نوع انسانی کے اعمال کو حرکت میں لائے اور اس طرح سے اس کی تصوراتی اور نظریاتی نشو و نما اور ارتقاء کا باعث بنے ۔

واللہ خلقکم وما تعملون

(ترجمہ) اور خدا نے ھی تم کو

پیدا کیا ہے اور تمہارے اعمال
و افعال کو بھی۔

دراصل جس طرح سے برق قوت خدا کے قول ''کن،، یا ارادۂ تخلیق و تربیت کی قوت تھی جو مادی دنیا میں کارفرما تھی۔ یا جس طرح سے قوت حیات خدا کے قول کن یا ارادۂ تخلیق و تربیت کی قوت تھی جو حیاتیاتی دنیا میں کارفرما تھی۔ اسی طرح سے نظریات کی محبت کی قوت خدا کے قول کن یا ارادۂ تخلیق کی قوت ہے جو انسانی سطح ارتقا پر کارفرما ہے۔ انسانی دنیا کے تمام مظاہر قدرت جو انسانی اعمال و افعال کی صورت اختیار کرتے ہیں۔ اسی کی کارفرمائی کا نتیجہ ہیں۔ یہی وہ قوت ہے جو انسان کی سیاسی، سماجی، اخلاقی، اقتصادی، مذہبی، قانونی، علمی، تعلیمی، جمالیاتی اور عسکری اعمال و افعال کا منبع اور مصدر ہے اور ساری تاریخ کا تار و پود بناتی ہے

واللہ خلقکم وما تعملون (ترجمہ) اور خدا نے ہی تم کو پیدا
کیا ہے۔ اور تمہارے اعمال و
افعال کو بھی۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ عقیدۂ توحید کی روشنی میں نفسیات (Psychology) کی صحیح تعریف یہ ہوگی۔

Psychology is the Science of the creative activity of God in the world of the human mind and its manifestations.

لہذا جب ہم قرآن کی تعلیمات کی روشنی میں انسانی علوم یعنی انفرادی نفسیات، اجتماعی نفسیات، فلسفۂ سیاست، فلسفۂ اخلاق، فلسفۂ تعلیم، فلسفۂ قانون، فلسفہ تاریخ فلسفہ جمالیات وغیرہ کو نئے سرے سے لکھیں گے تو ان علوم کا بنیادی تصور یہی قرار دینا پڑے گا کہ کسی تصور حسن کی محبت انسان کے اعمال کی قوت محرکہ ہے۔ جب انسان کا تصور حسن یا نظریہ (ideal) خدا ہو جو بدرجۂ کمال تمام صفات حسن کا مالک ہے تو یہ فطری جذبۂ محبت اپنا صحیح راستہ پاتا ہے۔ اور پوری طرح سے اپنا اظہار کرتا اور مطمئن ہوتا ہے لیکن جب انسان کا تصور خدا نہ ہو تو انسان خدا کی صفات حسن شعوری یا غیر شعوری طور پر کسی اور تصور کی طرف منسوب کرکے اسی تصور سے اپنے فطرتی ذوق محبت کو مطمئن کرنے لگتا ہے لیکن اس صورت میں اس کا تصور حسن غلط اور ناقص ہوتا ہے اور چونکہ وہ

LIBRARY
JAMIA HAMDARD